

اختلاف ائمہ

اور

حدیث نبوی

اختلاف ائمہ اور حدیث نبوی

تالیف
شیخ محمد عوامہ

ترجمہ

علاء الدین جمال
۱۳۵۱ھ بیت و فقہ دار العلوم زکریا

المنادی العربی دارالعلوم زکریا
جنوبی افریقہ

مجلہ شرقِ منظر

انتساب انصاف اور عدالت

شیخ محمد عارف

علامہ اربعہ

2009

240

الادبیات العربیہ و اسلامیہ و اسلامیہ و اسلامیہ

الکتاب - ایس آئی بیٹ پریس - 714 پانچویں منزل

درہ گنج بخش دہلی - 110002

فون: 011-23244240

نام کتاب

مصنف

مترجم

اشاعت

صفحات

ناشر

مطبعہ

انتساب

اس نبی خاتم سید الانبیاء و المرسلین

کے نام

جن کی ذات والا صفات پر

نصرت اور انسانیت و فطرت کے کمالات

ختم ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ

وَ اتَّبَاعِهِ وَ مَلَم

مجلہ کا پتہ:

دارالحدیث و جمعہ

فہرست

- ۵ ○ عرضِ محترم مولانا حامد الدین رحمان
- ۱۰ ○ فضیلت حضرت مولانا شیخ احمد راجہ لونی (رحمۃ اللہ علیہ)
- ۲۲ ○ مقدمہ طبعِ انجم از مؤلف
- ۲۳ ○ مقدمہ طبعِ دوم چہارم "
- ۳۱ ○ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا کے فرمودہ نگاہ
- ۳۲ ○ شیخ مصطفیٰ احمد راجہ کے کلمے سے :
- ۳۸ ○ مقدمہ طبعِ اول از مؤلف
- ۴۱ ○ تہذیب
- ۴۳ ○ مقدمہ انشراح کرام کے یہاں حدیث شریف کا مقام
- ۴۷ ○ پہلا سبب حدیث کب قابلِ عمل ہوتی ہے؟
- ۴۸ ○ پہلا سبب حدیث شریف کے کج ہونے کے بعض شراک کے بارے میں اختلاف
- ۵۲ ○ دوسرا سبب حدیث سے حدیث کو کیا کس پر عمل کیا جائے گا؟
- ۵۵ ○ تیسرا سبب حدیث حضورؐ کے احکام و افکار حدیث سے کثرت کی بجائے
- ۵۷ ○ راجعہ دہلی
- ۵۸ ○ مثال اول
- ۶۳ ○ مثال دوم
- ۶۴ ○ مثال سوم
- ۷۱ ○ چوتھا سبب حدیث کے لحاظ سے حدیث شریف کے حلیہ کا اعتبار اہمیت

معاونان و مدیران مالی

عرض مترجم

تَحْتَ اِلٰہِ الْوَحْدِیْ یَفْتَحُہِ قُرْآنُ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْمَلَائِکَۃُ عَلٰی سُرُورٍ
 مُّشْعِدٌ وَّ عَلٰی اِلٰہِ وَضَعِہِ وَتِلْکَ اَشْیَآءٌ کَبِیْرٌۢ ۙ

اس کتاب کے طاریج کی خدمت میں کتاب اور اس کے مصنف کے تعارف اور وہ
 حاضر میں اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت پر کچھ روشنی لانے کی خاطر یہ چند خطوط لکھ رہی
 جا رہی ہیں۔

جس امر کی کتاب "اتر الحديث الشريف" بھی اختلاف ائمہ فقہاء و مشائخ اہل علم کا اور ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ نہ منورہ کے مشہور تفسیر عالم اور نہ فقہانہ ایضاً جو امر مہذب علماء کی تالیف ہے، جن کا شمار صرف محدث اور مفتی علامہ عبد القادر ابوالقادر دہلوی کے اہل مضافہ میں ہوتا ہے۔ اسکا عنوان شکر گوہوں کا ترجمہ دار ہے، تاکہ سے کمال تعلق حدیث کی حد تک پایا جاتا ہے، کتاب میں جانا دار سے فقہ اور اسکا ترجمہ مسند اصغر حضرت مولانا محمد علی عفی اللہ عنہ کی تالیف معروف شرعاً "حاشیہ ابن" اور حضرت مولانا محمد امجد علی دہلوی کے تالیف "معارج العبد" کے حوالے اس تعلق کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ کتاب دراصل قرآن و سنت کی روشنی میں تہذیب و تمدن اور مجتہدین کا نام، اہم اہل علم کی کتاب و سنت سے مسائل کے مستنبط، طریق استدلال اور اس سلسلہ میں ان کی مساعی جمیلہ کی بجزیرہ قصور ہے۔

حقائق علمائے امت کی ان غل غلہ اور بار بار دہرائی و تکراروں کی بنا پر اس کا نظم یا کم کرنے کی ضرورت نے میں نا کامی ہو چکی تھی۔

○ اس سب سے متعلق دیکھا جانے والے دو شبہات

۷۶

۷۶

۹۱

○ دوسرا سبب: فلم جدید کے اختلاف کے بیان میں

۱۳۷

○ تیسرا سبب: پنڈت پر چند افسانہ نگاروں کی بنا پر ان کے گرام کے یہاں اختلاف

۱۶۳

○ چوتھا سبب: ملکا کا اختلاف منہ کے بارے میں ان کی خطرات کی

۱۸۰

○ دسٹ کے نکالتے سے

۱۹۸

○ چھٹے سبب پر وارد ہونے والے تین شبہات:

۲۰۳

۲۰۶

۲۱۲

○ چھٹا ملاحظہ

۲۱۵

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۸

۲۲۲

○ غلام

۲۲۶

۲۳۳

۲۳۳

○ فیملی (۱)

○ فیملی (۲)

اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے بعض طرف سے محدودے چند فقہی مسائل کے بارے میں قرآن و سنت سے تصادم یا اختلاف کے سبب بہادر شہادت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ کتاب کے مؤلف مدظلہ نے ان شہادت کے ازالے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ مؤلف موصوف قرآن و سنت، فقہ اصول فقہ اور حدیث میں قابل دلف مہارت و صلاحیت رکھتے ہیں اور حدیث کی تشریح اور اجتہاد میں کمال کفایت کے سبب یہ ان کی بکھر بکھر گہری اور عقل ہے۔ اس کتاب کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات بھی علمی حلقہ کار کا ہندو گنتی ہیں، جن میں شہادہ الاحادیث، فی مسائل العلم والفقہ، "الاسباب" للسنن، فی اصول حروف الصاد، فی آخر حروف العیون، "تقريب التہذیب للحافظ ابن حجر مع مقلدہ" نامی مؤلفہ وخرست وایۃ عہد اور "تکلیف" لقاضی مع حاشیہ سبط ابن العسیمی مع مقدمات وایۃ ودراسة فلفیہ لکتر من تراجمہ، "المصنف لایمہدین" شیعہ اور دیگر مکرر کلامہ وادعائیات کے سلسلے میں علمائے وقت سے خارج العین وصول کرتے آئے ہیں۔ موجودہ کتاب کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب رحمۃ اللہ اور مولانا سید الرحمن صاحب عظمیٰ رحمۃ اللہ کی تادیب و تہنیت کی ذکر کرتے ہوئے کتاب میں آپ کا نام کتاب کے معترف اور مستحق ہونے کے لیے بہت کافی ہے، اس کتاب میں ان کا اعتماد بیکوہ ہیں ہے کہ حدیث، احمد حدیث، روایات حدیث اور اثر فقہاء کے بارے میں اپنی اہم اور وقتی معلومات و معترف اور مستند تاجد سے نقل کرنے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر اصولی طور پر میر حاصل بحث کرنے کے بعد اس پروری بحث کا خلاصہ چند سطروں میں بیان کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کی اصل فرض کو مؤلف کے ساتھ اور مضر کو حدیث و علم و عقلی اور مذاکرے اپنی تقریر میں بیکوہ بحث میں ہیں بیان کیا ہے کہ "مصنف اپنی اس کتاب کے دار بعد وایت اور وایت کے درمیان خورد وایت الفاظ حدیث اور اس کے معنی اور لفظ کے درمیان ایک سبب قیصر کرنا چاہتے ہیں۔" فقہائے امت کے اختلافات جو ایک یا دو پر امر اور فطری ضرورت ہے، کے متعلق سے جو مسرات ہے بنیاد وایام و شہادت کا ذکر ہیں، اگر ان کے بیان کردہ دلائل میں اختلاف اور فیہ جامہ ہادی سے اور اگر کسی دوسرے فرمایا تو کچھ ہدیہ نہیں کہ وہ اپنی اجتہاد

پہنچا نہ دلی چھوڑ کر اجتہاد کی راہ اختیار کر لیں اور امت کی وحدت اور اتحاف کے سلسلے میں قابل دلف کردار بنانے کے لیے ہمداناسی حلقہ مصالک باجور ہوں۔

حترم نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر کتاب کے مؤلف قطبیہ اشیر محمد عباس صاحب برکات وادعائیات سے اس کو عربی سے اردو کے قالب میں ڈالنے کی اجازت طلب کی تو قابل موصوف نے انتہائی شفقت اور مہمت کا معاملہ فرمایا اور میرے ایک ویدہ پر بھی اور ہم دوسرا بھی محترم حقوق پادان مہاس صاحب مدظلہ کے ذریعے دینے مشورہ سے کتاب کا خلاصہ ارسال فرمایا اور ترجمہ کرنے کی بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔

برادر محترم مولانا عبد القدوس صاحب قاضی خیر النبی مدظلہ العالی (استاذ الادب العربی) کے اذکار و تفکر کن الفاظ میں اردو کروں، جنہوں نے اس عاجز کو اس قدر کتاب کے ترجمہ کی تہنیت دی، بخیر و تفکر کے اظہار کے لیے مہارت اور قیور کی تحفہ کا معترف حرج و کج کر رہے سے مانگ ہے۔

اسیچہ والد محترم حاجی جمال الدین صاحب زید مجدد وادعائیات کے ذکر کے بغیر یہ کتاب مکمل ہے، کی جن کی اس قابل پر گرم وایت وادعائیات وادعائیات اور دلی نظر التکات وادعائیات خیر کی برکات سے شب وروز مستغنی ہوتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ واریج میں ان کی ان وایتات اور وایتات کا اجر وازل وادعائیات اور ان کا بارگت سایہ تادیوار سے سروں پر قائم رکھے، جن کی وایتات کے متعلق اس قابل اور کدہ وادعائیات کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ آمین وادعائیات۔

اس موقع پر اسچہ مدظلہ ویدہ برادر محترم قطبیہ اشیر محمد عباس صاحب برکات وادعائیات العالی مدظلہ وادعائیات ذکر کیا تو دل سے شکر ہے اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کے دوران ہرجم کے حقاہوں سے کچی کر لیں فرمایا اور اس ترجمہ پر خرچہ کا اضافہ کر کے محمان احسان فرمایا (و قد رحمہم اللہ تعالیٰ احسن الاحسان علی العالین)۔

ملاحظہ:

کتاب کے ترجمہ میں بین الفوقین کی مہارت حرج و کج کی طرف سے وضاحت ہے۔

مترجم کا مختصر تعارف:

میر سید الدخترم کی پیدائش افغانستان کے شہر قندھار میں ہوئی۔ علمی فائنل میں فہیمہ سلیمان ٹیک کی شادی جانشین سے ہوئی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر واقع پاکستان کے علاقہ بلوچستان کے ٹھٹھہ میں انگریز حکمرانیت کے سلسلہ میں مقیم رہے اور پھر بنگلہ کے اور رہے۔ پھر پیدائش ۱۹۳۲ء کو پاکستان میں ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد کمرہ سید الدخترم صاحب تجارت کے سلسلہ میں کراچی منتقل ہوئے، اس وقت پھر کراچی میں رہا۔ آخر میں کراچی۔ پھر جی پی تعلیم کی ابتدا دارالعلوم تانک داڑہ کراچی سے ہوئی، جس کے بانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع نور اللہ مرقہ تھے۔ دارالعلوم میں پھر تین سال حضرت مولانا بدیع الزماں صاحب دسر اللہ نقوی تھے۔ جب دارالعلوم تانک داڑہ شرفی گزرتے منتقل ہوا تو اس جا چلے گئے اور ان کی کتابوں کے لیے حضرت مولانا محمد عیسیٰ عسکری دسر اللہ نقوی کے قائم کردہ سرعرب اسلامیہ لائبریری میں داخلہ لیا۔ پھر دارالعلوم اسلامیہ جامعہ محمد عیسیٰ عسکری لائبریری ان کا نام سے مشہور رہا۔ معروف ہے۔ دسر اللہ نقوی اور جہات کے لکھنے کا پہلا سہارا تھا۔ ہمارے تانک داڑہ کے بعض سہارا بھیوں نے بھی یہاں داخلہ لیا جن میں مولانا صاحب اللہ عسکری دسر اللہ نقوی بھی تھے۔

ہمارے دور میں عالمی عہد اللہ صاحب، مولانا غلام طیل، مولانا ابراہیم الحق اور عبدالصمد صاحبزادہ مولانا محمد رشید نقوی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کا انتقال ہو چکی ہیں ہو گیا اور عالمی عہد اللہ کی مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور مولانا بدیع الزماں صاحب دسر اللہ نقوی تانک داڑہ سے یہاں منتقل ہوئے۔ یہ قدرے کا وقت لائبریری زمانہ تھا کہ کوئی درس کاؤ نہ تھی، مسجد بھی ناقص تھی، لکھنے اور جہات سے دور تھے۔ ایک ایک کام اساتذہ کرام میں ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الحدیث کے آفریقہ کی شاگرد مولانا عزیز گل صاحب کی زیارت دسر میں ہوئی جن کے چھوٹے بھائی مولانا بدیع گل صاحب دسر اللہ دسر میں حدیث کے استاد تھے اور مولانا غلام اللہ صاحب پشاور دسر اللہ حضرت مولانا عسکری دسر اللہ کے ساتھ ہی کمرہ

میں دارالافتاء کے دونوں بزرگ رہا کرتے تھے۔ مفتی احمد الرحمن صاحب کے بڑے بھائی مولانا یحییٰ الرحمن صاحب دسر اللہ قائم دارالافتاء تھے۔

اس زمانہ میں انگریزی سلسلہ چاری کے صاحب کی بری ایک مکتبہ رہا۔ وہ دارالجب اللہ نقوی نے یہ مبارک سلسلہ جزوات ۱۳۹۹ء میں حضرت مولانا نور اللہ مرقہ سے بخاری پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی سال سفر قزاقستان کے جانے کے بعد حضرت مولانا مولانا مولانا کے علم سے بلوچستان میں تدریس کی ابتدا ہوئی۔ چند برس مختلف مدارس میں پڑھانے کے بعد ۱۳۹۰ء میں سعودی عرب مکہ المنکرہ کے مدرسہ سولہ میں تقرر ہوا۔ ۱۳۹۱ء میں ساداتہ لاریہ کے مدرسہ اسلامی "دارالعلوم ذکر" میں تدریس کی ابتدا کی اور اس وقت تک اسی مدرسہ میں اہل و عیال کے ساتھ مقیم ہوں۔

اس کتاب کے ترجمہ کے دوران میر ۲۱ سال بیتا احمد کی طرف ۲۰۰۰ء میں دورہ حدیث کے سلاذاتقان میں دوم آیا، جلسہ تقسیم انعام سے ایک رات قبل اپنے شیخ ساجد حسین اکرام سمیڈی، امیر انجم اور عیسیٰ سمیڈی کاڑ کے حاضر تھے جہاں کچھ ہوا۔ جلسہ تقسیم انعام کے روز کچھ مسجد میں چار چار سے کئے ہوئے تھے۔

ع دین دین بڑے مردم عارف ہزار ہا

احمد علی دینار لکھنات پھر سے سر پر باندھی گئی اور ستر لکھت سے بھی مجھے لکھا گیا: **بسم اللہ ما اعقذ واللہ ما اعطی وکل عددہ داخل مستفی، والحمد للہ علی کل حال، اما اللہ واما الیہ راجعون۔**

دریں جگہ کہ بیمار دیکھیں ہم آفرش است

زمانہ جام بدست و جہاد و بدوش است

اللہ تعالیٰ اپنی چادر اور تمام امت کی عظمت فرمائے اور سب مسلمانوں کو حسن ظن کی سعادت نصیب فرمائے۔ وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين۔ رحمۃ اللہ علیہ

کتبہ عبداللہ بن عباسی نقوی دارالافتاء نقوی

شب بدست ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء ۲۰۱۹ء

یہ سروسو حال بالکل ٹی ہے کہ حد تک حلیت سے انکار کرتے ہوئے صرف قرآن کریم کو نافذ طریقے بنانے کی بات کہی جائے۔ یہود و مسلمان میں اس تفسیل سے اہل قرآن یا مسیحیوں تک حد تک تفریق نہ ہو۔ عہدہ فخری کو اس فریقے کا بانی تصور کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ سروسو بدو، یا مسلم جیسے ہی بدعتی معاشرہ کی ذکاوت تفسیل اور حلیت سے مراد بنائے ہوئے ہیں اس فریقہ انکار حلیت تک حد تک بن چکے۔ یہود و مسلمان کے علاوہ ۱۹۰۰ء اور ۲۰۰۰ء میں بدعتی میں حد تک حلیت سے انکار کرنے والے تمام ملک میں سروسو جبرست ہے۔ اور آج یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ اس وقت عرب و عجم کے تمام ملک میں حلیت تک حد تک انکار کرنے والوں میں ایک جماعت تفسیل قرآن کو لوگوں کی ہے جو اسلامی شریعت رکھنے اور اسلام کے حوالے سے ہی حد تک کے قبول یا انکار کو بحث کا موضوع بناتے ہیں۔ بلکہ دوسری جماعت اصلاً مغرب کی ہے بدو، مغرب کے کئی ملک و ممالک اور کئی ملکوں میں اصلاً ہندو اور دیگر مذاہب رکھنے والے مشفقین ہیں۔ مشفق ہیں۔ یہ سروسو دور کے لیے بدعتی بھی جماعت ہے۔ یہ جماعت جو اسلام کو کٹاؤ دینے سے انکار کر دے کہ لے جائے یا نہ لے دے دیکھیں اور مضمونوں پر کاموں میں دن رات مشغول ہے، اسلام کے اصول و اساسیات میں شک و گمان نہ پیدا کرنے والے اصولی اسلام کی طرف مائل رہی ہے۔ اس وقت خاص طور پر پچھلے آٹھ سو سالوں سے اسلام سے حقیقی ساری گفتار اسلامی شریعت پر مرکوز ہے نہ کہ تفسیل کی کہ ہادی ہے کہ لغو پڑا ایسے اسلام کو کٹاؤ رکھ کر لیا جائے جو اصل "روحانیت" یعنی "ہو" "شریعت" یعنی نہ ہو، کیوں کہ ان کی فکر میں ساری مشفقہ سے شریعت کے تصور کی ہی بدعت ہیں۔ اس لیے اس حقیقی سے اصل

نکالنے پر اسلام کا حلالی ماننا اور انا ہے۔ کیوں کہ اس کو نظر انداز کر دینے کی صورت میں شریعت کا کوئی مندرجہ تصور باقی نہیں رہ سکتا۔

1000

[illegible]

ای طرح حضورِ انور سے دعا ہے کہ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنَا الْقُرْآنَ الْعَلِیْمَ وَالْکِتَابَ الْحَکِیْمَ

اہم اور تعلیمی خدمات اہم ہوتی ہیں اس کے اختلاف کی ایک جھلک علامہ رشید رضا مصری کی دارالعلوم عربیہ میں ان کی تقریر میں نظر آتی ہے۔ کہ وہ ماہ تعلیمات نکلتے شیخ عربی میں کسی کی ہیں جس کے سبب اس کا کام کو ختم کے طلبہ و طلباء کو کم اور عرب کے عام دماغی خواہد تعلقات اور طلبہ کو کچھ اور اس کے انتہائی مفید نتائج مانتے آئے۔

فقہی اشکاف احمدی حدیث

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محدثین کرام نے احادیث نبوی کی تحقیق و جستجو اور اس کے قواعد و مستند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ روایت کی قرین و صحیحہ، بکراہی کو چھوڑ کر حدیث کو صحیح و مستند قرار دینا ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ جس میں اشکاف کا پورا پورا نظریہ دینی ہے۔ نہ صرف ان کی روایت اشکاف کا یہ سلسلہ خود صحابہ کرام کے درمیان حضور ﷺ کے مہم میں بھی رہا ہے۔ جو تابعین اور تابع تابعین تک متعلق ہوا۔ اس فقہی اشکاف میں حدیث کا کردار بنیادی اور اہم رہا۔ ان محدثین اور محدث کے فقہاء کے درمیان جو بھی فقہی اشکاف رہا ہے، غصا ہے۔ پالی رائے یا امر اور ضد یا اپنے خیال کی کچھ رکنا قصور نہیں۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کے بارے میں آج سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے علم اور اس کے مسائل کے کلام کے متبادل میں کوئی رائے قابل قبول و قابل اعتبار نہیں۔ علمائے اس فقہی اشکاف کی قومیت اور حقیقت اور اسباب کی وضاحت کے لیے بھی آگاہی نہیں ہے۔ جس کا مقصد بھی ہے کہ اس فقہی اشکاف کو بعد کے لوگ "ماہرین" اور "محدثات" کہیں اور نہ دیکھیں۔ فقہائے علم کی اس وضاحت کے بارے میں (محققین کا اعلان) نہ صرف حدیث کی روایت بلکہ نظریہ اور ماہرین کی حدیث پر بھی نظر دینا سے پہلے حقیقی اور شرعیات کی حفاظت کا کام کے بعد چار تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ ہے۔ ان کوئی بدگلی کا ٹھکانہ نہ جانے اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن عبد البر اندلیکی خیرہ آثار کی کتاب "رفع السلام عن الامم الاہلہ" سے کون واقف نہیں ہوگا۔ محدثین کے ذہنی انداز و دانش نے بھی اپنی کتابوں میں اس موضوع پر بحث نہ کی کہ خود اس پر کیا مستقل کتاب "الاہلہ" میں سبب اختلاف "کے نام سے گزیر رہی۔

اس فقہی اشکاف کے مخصوص اسباب ہیں:

- ۱۔ براہ راست ایک حدیث کی عالم کو پہنچتی ہے، دوسرے عالم تک نہیں پہنچتی ہوتی۔
 - ۲۔ ایک حدیث کو کسی عالم نے دیکھ کر جو محمول کیا تو کسی نے احتیاج پر اور کسی نے اہمیت پر اس کی وجہ سے مسائل میں اختلاف ہونا ایک عام بات ہے۔
 - ۳۔ کبھی روایت کا نقل حدیث میں وہم بھی اشکاف کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ روایت کے حضور جھٹکتے کہ حدیث کے اس کیسے جگہ کو اس نقل پر تو کسی نے تصحیح اور کسی نے غلطی۔
 - ۴۔ اسباب دہلی کی قیمن میں اشکاف بھی اس کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ اس میں احتمال قلیل کی مراعات کی علت امام ابوحنیفہ نے احترام قلیل قرار دیا۔ امام شافعی نے یہ کہاں کی وجہ سے اپنے دوسرے مسائل نماز میں کے ان کا سامنا کیا جیسا ہوگا۔
 - ۵۔ لفظ مخرج کے معنی کی قیمن میں اشکاف مخرج کو امام ابوحنیفہ نے بعض پروردگار مباحثی کے طور پر محمول کیا۔
 - ۶۔ حدیث کی بعض اقسام کے قول اور میں اصولی اشکاف بھی اس کا سبب بنتا ہے جیسا کہ اصل روایات امام ابوحنیفہ امام مالک کے نزدیک صحیح ہیں امام شافعی امام احمد کے نزدیک نہیں۔
 - ۷۔ بعض روایات کی تاریخ میں اشکاف جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے وضع کیا ہے اس کے معنی میں مسعودی کی حدیث امام احمد روایت کی ہے ان میں روایت کو تاریخ و امام ابوحنیفہ نے اپنے روایتوں پر مشتمل حدیث کو زیادہ اہمیت دی امام احمد ای نے کم واسطہ دی سنو کہ مقدم رکھا اور یہ سبب صحابہ کی حدیث ہے۔
 - ۸۔ براہ راست ایک روایت منحصر ہوتی ہے، دوسری تاریخ میں ان میں سے کون سا قول اصل آپ ﷺ سے پہلے صادر ہوا اور کون سا بعد میں۔ لیکن تاریخ و مشور کی قیمن میں اشکاف یہ ہوا کہ امام شافعی نقطہ نظر پر اس کا اثر ایک دیکھا گیا ہے۔
- اسی طرح ان تمام اشکاف کے باوجود ان محدثین میں جنگ و جدال اور اختلاف پیدا کرنے کی نیت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کے پیچھے نہ لپکے نہ امام طور پر جھگڑا کرتے تھے۔ کاش آج کے مسلمان بھی ایسی روایتی اور قسح کا مظاہرہ کریں تو بہت سے اشکاف ملاح و دھڑکی میں

مقدمہ طبع پنجم

الحمد لله رب العالمین و سلام علی عبادہ الذین اصطفى و خاصۃ منهم
 نبیہا و سیدنا محمداً المصطفیٰ، علیہ صلوات اللہ و تسلیما۔ و بعد:
 پارسے کہ "اثر اللہ فی الشریعہ" کا پانچواں ایڈیشن سے جہاں سے خوشگوار ایڈیشن
 کے بعد کتابت کی گئی اور بعض تصحیحات کے اضافہ پر مشتمل ہے، میں کو میں نے مندرجہ اور
 مقام کی اہمیت کے پیش نظر قابلِ ملاحظہ کیا۔ اثر خدائی سے اس کی رضا اور سیدگی راجح
 قریبی کی دعا کرتا ہوں، بے شک وہی خیر اور شہدِ جاہلیت کی راہنمائی فرماتے ہیں۔

کتبہ محمد امجد

المکتبۃ المسلمونہ ۲۰۰۶ء مارچ ۱۳۲۸ھ

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾

مقدمہ طبع دوم و چہارم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَنْتُمْ سَمِعْتُمْ الْحَدِیثَ الْمُبِیْنَ فَتَحَقَّقُوا اَحَاقَ الْوَقْتُ
 بِہِمْ مِنْ حُلِّیْ قَرِیْنًا یَنْتَظِرُ عَلَیْہُمْ مَخَیْفَةً اِیْتِنَظَرُوا اِلٰی الْیَقِیْنِ وَ تَذٰکِرًا لِّمَا قَدْ خَلَوْا مِنْہُمْ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ
 اِلَیْہِمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۰﴾

ترجمہ: تمام قرآن میں اللہ کے لئے ہیں جو سب جانوں کے پروردگار ہیں جس کا حکم
 ہے کہ سو گناہوں اور فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ کہہ دے اگر یہ دیکھیں کہ وہ گناہ
 کا کیا کیا دلیقہ نہ کہہ دے گا کہ ان کی طرف مائدہ ہے۔ (در تفسیر جلد ۱)

اور بعد سلام و دوایں کا طریقہ کے سرور اللہ علیہ مباہرہ علی اللہ علیہ وسلم پر جو اُن کی
 ہیں وہ آپؐ کے لئے لڑا گیا "ہر پہلے گز رہا ہے دہلے سے یہ علم نصف ہو رہی تھی لوگ ہی حاصل
 کر چکے ہیں گے اور منافق کی حالی یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کے جانوں کی تحریف اور جانوں
 اور منافق اور ان کے گھسوں کی دھواں دھارہ تلخ و تلخات کا اس دین سے دور ہونا ان کی گئی۔" (۱)
 لیکن اس دین کے کہ "اثر اللہ فی الشریعہ" کتاب دوم اور انچ تھا ایڈیشن (۲) ہے۔ عمرہ منورہ سے سابق
 ایڈیشن کے حکم ہو جانے اور اس کی دوبارہ فکر و اشاعت پر شہدِ اصرار کے باعث کارائین

(۱) اگرچہ اس حوالہ کا نام سے مذکور ہے، مگر اصل ہے کہ اصل دوسرے دین کے اثر سے انقلاب ہے، نام
 نام جو یہ عملی دین اللہ نے اس دین کی گئی لڑائی ہے، جو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس دین کے مسئلہ کا اصل قول
 ہونے سے مہلت ہے، ہر دین کے یہاں ہے، بدھ کا مسئلہ اس قسم ہے، اسلام میں صلیبیوں کی دینوں۔

(۲) کتاب فی التفسیر اللہ سرور علیہ السلام کا اس میں ایک تفسیر کا اضافہ کیا گیا تھا جس کا آپ کتاب
 کے اثر سے متاثر ہوئے ہیں

کہ ہم کی خدمت میں ملک کو پیش کیا جا رہا ہے۔

ان مصالحت کے خارجہ کو معلوم ہے کہ ان میں ذمہ داری کے موضوع پر احساس ہے اور بہت کا حامل ہیں۔

اس کو ہر کے چمچوہ انوں میں مٹا لیں اور نو سوٹ کرنے والے دلوں خرقہ پائے جاتے ہیں۔

علاء تسمیع الاطوار میں کل جانب

عليه السلام في قوله تعالى: ﴿وَلَا يَخَافُ الْعَذَابَ﴾

یعنی ہر طرف سے آئے دہلی ہاتھوں پہ بچان نہ دھرے، ایسا ہونا گزیرے کہ کوئی آپ کی
شاخوئی کرے اور کوئی دھست۔

لیکن میرے اہل بیت کے لئے ایسی کوفی ہے کہ میں نے اپنے خیال پر حاکم میں
مجلس و مجلس کے ملاوٹ کا علاج کیا ہے اور جو ان فعل کے دلوں میں دین کا کج فہم و فکرم رائج
کر کے لے کر کوشش کی ہے تاکہ ان کے دلوں سے دین اور شریعت کے بارے میں ان
شبہات کے کاٹے جان جن کو کمال دلوں، جو علم و تربیت اور کج فہم و فکرم سے عاری و ماحول کے
اثرات کے نتیجے میں دینی پرانے کی دشمنی اور پستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں
جو سیاست و سیاست اور فکری شکست و ہرجس سے سیاست اور علم و ادب سے محروم و محروم
میں اپنے دالے اور نام نہاد آزادی کا فہم و فکرم رکھنے والوں سے حاکم سے بغیر دروہ تھے۔ جو
حدت پسندی اور آزادی کے جھنڈوں میں اپنے بے لگام ہو گئے کہ دینی مصلحتات میں
روا رعازی ان کا محبوب پیش اور مصلحت میں کیا اور علم و فکرم کے قبول عام و معروف اور
مجیدہ و مانی سے شروع اور حکومت کرنے والوں کو ”مردم و ملت و دینی اسلام“ جیسے نام لے
الفاظ سے غوا کر ان کے طمع و تہمت کو ثابت کرنے کے لیے بے شمار دعوے قرائے
کئے اور جب کہ (اس وقت آپ کے زیر مطالعہ) ان مصلحتات نے علم و فضل کی حامل

[illegible]

— ۱۱۰ —

بزرگوارہ شخصیات سے قبولیت کی سند اور ان کی پسندیدگی اور تائید کا بہترین خراج عقیدت
بجول کیا۔ علمائے اسلام کی ان چار تہ قرآنی شخصیات میں علمائے سحر خراج کے سرشل جن کی
مواظقت، پسندیدگی اور قبولیت کی سند کو میں اپنے لیے انتہائی اعزاز اور سرمایۂ افتخار سمجھتا
ہوں وہ یہ صلیبی کے اعلیٰ علم و فضل اور ادراک فکر و نظر کا تجلوس اور اپنے تمام تحقیقی
تلاشوں کے باوجود سرخ علمہ شیخ ایدیت حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی دسلاط
(دوقات کم شعبان علیہ السلام) کا صدوقی تلمیذ تھے۔ انھوں نے انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے
ہوئے اس کتاب کے مضامین کی تمام لہجہ سے اپنے ایک شاگرد کی زبانی طور سے سننے کی
دوست فرمائی، جب کہ میں خود بھی اس سہارک مجلس میں حاضر تھا، لہجہ سے سنتے پڑھتا تھا
تو غور اور پڑہت سے سرست لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ اس کتاب کے مضامین کو مکمل طور پر چڑھا
جانے اور پھر پوری کتاب کو انتہائی طور سے دیکھ اور اس دورانیہ وہ چاندی کے سبب اپنی
چاندی پائی پر تھک کر فرما رہے تھے کہ اس شفقت کے بدلے ان کو جنت عطا فرمائے
(آمین) اور حیدر صریح فرماتے ہوئے چند نکات بھی کتاب کے بارے میں ارشاد
فرمائے جن کو آگے چل کر میں نقل کروں گا۔ اعلیٰ حقانی کے فضل اور اس کی حراہت و توفیق سے
ایک مجلس میں یہ تمام میں عطا اور کئی سطحوں کے سرخ، تجلی خاتون سے کے چشم و چراغ عطا
مولا شیخ مصطفیٰ الدیوب حفظہ اللہ حقانی نے اس دسلاو کو دیکھ اور چڑھا کر اپنی رضا مندی اور
پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور شہدہ چلی مصر و قیامت سے وقت نکال کر انتہائی جتنی ارشاد و بات
سے توفیق اور اس کتاب کو روایت اور روایت کے دو زبان ایک لہجہ کی تعمیر سے تشکیل دے کر
پوری دسلاو میں میں اضافہ کیا جبکہ یہ انتہائی مشکل کام ہے خصوصاً اس زمانے میں جبکہ
اعلیٰ زمانہ کے روایت کے علم کو آسان اور معمولی سمجھا اور روایت اور روایت سے اعراض کیا
ہے۔ کما قبل: الناس بعداء لما جہلوا ایسے مشکل مرحلہ پر میں اللہ حقانی سے اس کی
اعانت اور توفیق طلب کرتا ہوں۔ اس شخصیت کے بارے میں جہاں پوری حوصلہ افزائی
کی گئی اور اسے بے حد سراہا گیا وہاں اس کتاب کے لکھنے پر مجھے اتنی بھی پہچانی
تھی جس پر صبر اختیار کر کے یہ قیامت کے دن ایسے کرنے والی نیکو بات کریم اور رب

اہلِ علم کی رحمت و احسان سے اجازت و کتاب کی اس قدر تکلیف ہوں۔ کہنے والوں نے یہاں تک کہ دیا کہ یہ کتاب دراصل اہل حدیث کے ساتھ کھلی زیادتی اور ان کی مخالفت پر مبنی ہے۔ اہل حدیث کی پسند اس کتاب میں اس قسم کا مواد پر گزرتی ہے، اس میں عبرتی زبان یا نظم سے لکھا ہوا ایک حرف بھی نہیں جس میں ان باتوں کی طرف کوئی اشارہ نہ کیا گیا ہو۔ ہاں اہل حدیث نے یاغیاں نے محدثین کی قدر و حرمت و ان کے شریعت کے حواج اور روح کو گتہ کی اپنی صلاحیت کو تاریخِ مصلحت کی نظر سے گزری حدیث کی مخالفت سے تو سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

وَنَحْنُ مِنْ غَیْبٍ لَّوْا ضَعُفًا

وَالَّذِیْنَ یَنْفَعُ الْفَلَاحُ

یعنی: دنیا میں کچھ باتوں میں کبڑے نکالنے والوں کی کمی نہیں اور اس علماء کی جز و رحمت اللہ کی کمی بھی ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ عبرتی تفسیر کے لیے اٹھائی کافی ہے کہ کمال اور مظلوم کے درمیان فیصلہ کی کمزوری مقرر ہے آلے دہلی سے جس میں کمال سے مظلوم کا حق دلا دیا جائے گا، اٹھائی تفسیر سے حال سے بخوبی واقف ہیں کہ میں نے شریعتِ غمراہ کی بنیاد یعنی حدیثِ شریف کے دفاع میں کی خاطر یہ غامض فرسائی کی ہے، یہاں حدیثِ شریف اور سنتِ مطہرہ کے نام خدایا مظلوم سے لوگ شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ کھلم کھلا کر لڑنے لگیں۔

کیا اٹھائی اسلامی کتاب و سنت کا شرعہ اور خلاصہ نہیں؟ پھر اس کے شرعہ اور خلاصہ کا دفاع اصل اور بنیاد کے ساتھ زیادتی یا عداوت کیسے کہلاتی جاسکتی ہے؟ یہاں میں اصل وراثت بیان کر رہا ہوں:

خاموشی و جفا ہے اسے کیا کہئے؟

ناظر مرگہ بوجہاں ہے اسے کیا کہئے؟

ایک دفعہ ایک نوجوان عبرتی ملاقات کے لیے آیا جو ہمارے شہر حلب کی ایک درکشاپ میں میرا تک قہار و چالاک نے کی ایک طویل مدت میں میرے پاس وارد ہوا۔ اپنے

سر پر ستوں کی مانند سر دھجے میں بونہار بادرات کے بارون کی گئیے اور کسی نیچے پر پہلے پھر یہ مجلس پر جماعت ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ موسم کے خفاہ طبعی اور کھٹے سے ماری ایک جہلی شخص تھا اور اس طبعی وقت میں اس کے دہنے پر کچھ اٹھائی کا اظہار اور اپنی مسئولیت کے پیش نظر میرا حق اختیار کرنے میں ہی عایت نظر آئی۔

تفصیل اس بات کی یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں ایک بچہ تھا جس میں کونٹ کے گوشے سے دھوکر نے کے بارے میں کچھ مسلم کی ایک حدیث درج تھی اور امام نووی درج اٹھائی کا یہ قول بھی کہ "یعنی حدیث اگر ان کے مذہب کے خلاف ہو تو مذہب پر عمل کے بجائے وہ حدیث پر عمل کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ "ابنا صحیح الحدیث قہور مدعی" جب کچھ حدیث سامنے آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اس میں کمال ان کا امام اور مولانا امجد علی گھنوی درج اٹھائی کا بھی ذکر تھا، اس کے کلام کا خلاصہ یہ تھا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی درج اٹھائی جب یہ کہتے ہیں کہ "اگر حدیث کچھ ہو تو وہی امام مذہب ہے" تو کونٹ کا گوشت کھانے سے ان کو بھی دھوکے لازم ہونے کا قول کرنا چاہئے تھا، اس کے طرز کا اندازہ اس سے بھی ہوا کہ کھٹو کے دور میں ان ائمہ کا امام اٹھائی اور کھٹو کی کو کھٹو ہی چڑھا۔

میں بھانجیوں سے ملنے چلا کرتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور کتاب و سنت سے مستفاد ہونے کے واسطے میں ایک ٹیوٹر مسلمان ایسے مصلحت میں مشغول ہوں، دھوکے بازوں بدیہ میں دانستہ دھوکے کی تسلی سے میرا کر سکتا ہے، یہاں میرا کہنے پر قریب خود کو ایک بھی انہیں کے قبیل کے ہیں اور انہیں کے ذریعہ ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ حقیقی معنوں میں حسب کون ہے؟ کیا وہ جو اس قسم کے طریقہ کار کو قریب خود کو لوگوں کی سرگرمیوں پر دھوکے لگائے اور دھوکے کے مقاصد و مقاصد کی کچھ طور پر وضاحت کرے؟ یا وہ جو دھوکے سے لوگوں کو قریب اور گمراہی کی دلدل میں پھنسا کر ان کو دستہ اور گمراہی کے مصائب پر قابو ہونے کی اس طور پر حوصلہ افزائی کرتے

کچھ سے ثابت اور تو قیاس ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب میں مخالف نے لکھا ہے کہ کتاب کے آخر میں شیخ کا غور و نظر دیکھا جائے کہ اس کتاب سے علماء نے فہرہ کیا ہے یا نہیں!

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس منشاء کی توفیق بخشی کہ اس کتاب میں حق اور اس کی تائید و توثیق کے لیے اس چیز کو نہ مٹنے والوں کی خدمت میں پیش کروں جسے میں برحق سمجھتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ نے باطل کو نکلنے سے روکا ہے کہ یہاں سے لیے آسان فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ استفادہ کی غرض سے اس کو مطالعہ کرنے والوں کے قلوب کی راہ کھولے گا اور یہ اعتراض، دشمنی اور عداوت کی نیت سے نہ میں تو ان کے لیے اس کتاب سے استفادہ کی عروا کی عداوت کیا کہا جا سکتا ہے اور آج کے بعد مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَتْلُو ذٰلِكَ نَفْثَ شَيْطٰنٍ رَّجِمْ...﴾ (سورہ بقرہ)

ترجمہ: سو وہ چراگہ تو جاتا رہے گا سو نکال کر (ترجمہ شیخ الحداد)

اسے اللہ تو جاری اور ہمارے والدین، ملائکہ، اساتذہ، اہل و عیال، اور تمام مسلمانوں کی اوصاف کے ساتھ ان کی عظمت و قربت

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ و تابعینہم
یا حسن یا علی یوم الدین، والحمد للہ رب العالمین.

تکم : محمد عابدی حفظہ اللہ تعالیٰ

حدیث نمبر: ۱۶۱۶ شعبان ۱۴۰۶ھ

۲۳ شعبان ۱۴۱۶ھ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کے

فرمودہ و کتابت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی تولیٰ ثوبک علینا تقصیرا، وفصلت ما الاویہ والاضلاع
والسلام علی سید خلقہ محمد الذی تمٰ لحسنہ وجمالہ وغنم لنصح طبعہ
جہنہ وصلاحہ، وعلی آلہ واصحابہ الطیبین اتقوا نور حدیثہ، وقلوبہم صیلاہ
وعلی من اتبعہم یا حسن یا علی یوم الدین.

امام احمد: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی سعادت اس امت کے حاکم کو عطا فرمائی اور اولین و آخرین کے سردار کی مشقوں کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا اور اپنے خاص کرم اور سعادت سے اس صاحب حدیث کو خاص طور پر اس شرف سے نوازا جو نبوی اور ضعیف کے درمیان مدد و قائل قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور حسن اور حسنہ کی احادیث سے یہاں صریح نص و دلیل نقل احکام کا اشتہار کیا اور تراجم و منوع احادیث کو معلوم کرنے کے ضابطے سے احادیث کی چھان بین، تحریک و نقل کے اشتہار میں غرض کرادے دینے کے بعد علماء و محدثین نے اس کو اختیار فرمایا، اہلاد کے مستند اور صحابی کی کبرائی میں غلطیوں اور کتب و احادیث کے ابواب و فصول قائم کیے اور اسوالات کے فروغ کا اہتمام کیا۔ اسے اللہ تعالیٰ پر اپنی رضا اور رحمتوں کی بارش و سائون کا اہل و عیال و جات میں ہمیر و عطا فرما۔

احادیث کے باہم تضاد کو دور کرنے اور تضاد دور کرنے کی صورت میں وجہ تفریح کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک حدیث کو دوسرے پر ترجیح دینے، اختلافات حدیث کی وضاحت اور تسکوت کی تحمیل و تخریج میں ان صاحبین کا بے دریغ کردار اور انجالی حکیم الشان رہا ہے، لیکن مقصد کی یکسانیت اور قیاسی تفسیر رکھتے ہوئے وجود ترجیح اور طریقیانے اشتہار کے

مختلف ہونے کے باعث بہت سے مسائل و حکام میں انھوں نے باہم اختلاف کیا۔ یہ اختلاف فطری بھی ہے اور تاریخی بھی، اس میں شک کی جگہ نہیں ہے اور نہ قابل مذمت ہے بلکہ یہ اختلاف قیامت کے لیے باعث رحمت ہے جیسا کہ اہل علم بخیر جانتے ہیں۔

عربی کے متحول اصطلاحات اعداد لفظیہ کے مطابق کہ جس چیز کی تحقیق سے لوگ واقف نہ ہوں اس کی دشمنی پر اتر آتے ہیں، ہم انہم سے عاری لوگ تیار اور قیام پر ہے سرور یا اعتراضات کی جو چھاد کر نے میں پیش پیش رہے۔ انہی اعتراضات کو دور کرنے کے لیے محققین اور متحرکین علماء نے اختلافات کے حساب پر روشنی ڈالنے کے لیے رسائل اور کتابیں لکھیں، جیسا کہ علامہ حافظ ابن عربی، عبدالحکیم بن حبیب الحارثی نے دفعیہ اعلام میں اور علامہ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر قرطبی، رحمہما اللہ تعالیٰ نے جلد اول المکملہ تصنیف کی۔ اسی موضوع پر میرا ایک رسالہ اردو میں چھپ چکا ہے جس کا نام میں نے اختلاف افلاحتہ کمالہ الحمد للہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اس سے مطلع کیا۔

اس دور میں ہمارے مراد عزیز کا فضل گرامی علامہ شیخ محمد عابد کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ تین سال قبل جامع رحمتہ انتخاب میں انھوں نے ایک مفید اور قابل ذکر مقالہ پر حواہ اور پیراس میں ایک مستقل کتاب کی شکل میں حذف و اضافہ کے ساتھ رقم بند فرمایا۔ جس کا نام "مختصر الجمعین الشریف من اصطلاح الاحادیث القدیہ" رکھا۔ کبیر بنی کے کوارٹس اور فکر کی کڑہری کی بنا پر میں بذات خود اس کے مطالعہ سے قاصر تھا اس لیے میں نے اس رسالے کو اپنے بعض اصحاب کی ذہنی مدد اور اس کو احتیاطی مفید پایا، جو اختصار کے باوجود اعلیٰ علمی فوائد اور لائق قیمت نکات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب سے مستفید ہو کر مجھے روحانی مسرت اور تھیں فرحت کا احساس ہوا۔ یہ کتاب اس لحاظ سے کہ ہر مدرس اور طالب علم اس کا مطالعہ کرے، یہ کتاب کبھری اور سرگرمی کی مدد سے پچانے والی ہے اور آخر نظام کی شان میں کستائی کرنے والے چٹا جو اور حرمیں نصیب لوگوں کی روش سے حفاظت کا سامان بنجی لے والے ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی پیمبریت و امور سرگرمی کی مدد پر پختگی کی توفیق عطا فرمائے اور ساری زندگی ہمیں اس ذمہ گرامی کی مسرت پر قائم رکھے جو روشنی اور جانیت کی گہرور ہے اور اس دین پر خاتمہ نصیب فرمائے جس نے تاریکیوں میں روشنی کی پرواز دکھائی۔

وصلی اللہ العالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

وآلہ العبد الفقیر

محمد زکریا حسن محمد نجفی کاندھلوی

حدیث نمبر ۵۵، شعبان ۱۴۰۱ھ

شیخ مصطفیٰ احمد الزرقانیؒ کے قلم سے

سب تفریقیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَیْكَ يَا مُحَمَّدُ لَفُجِّرْنَا بِكَ﴾۔ اچھے افراد، سوئیں، شکہ پر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ کہہ دیا کریں، دین میں اور ان کو شر سے بچایا نہیں اپنی قوم کو جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی طرف سے کچھ نہیں ہے۔ (ترجمہ معنی احمد اور دوسرا مسلم و محدث سے عالم الانبیاء رحمہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اور اصحاب پر رحمہ اللہ فرمائے گئے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تہذیب اور دین کے جو قسم سے کچھ سے اور ایک روایت میں آتا ہے۔ کوئی حدیث سے بھر اس طرح دوسروں تک پہنچا دے جیسا اس نے جہاں آگے ارشاد فرماتے ہیں: جن کو حدیث پہنچائی جاتی ہے ان میں سے بہت ایسے ہیں جو سنے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہیں اور ایک روایت میں آتا ہے: بہت سے حاملینِ حدیث (یعنی حدیث کے یاد کرنے والے) میں سے اور دین کی کچھ پائی جاتی ہے) جن تک حدیث پہنچاتے ہیں وہ ان حاملین سے زیادہ کچھ یاد اور تھیں ہوتے ہیں اور بہت سے حامل تھے ایسے ہیں جو خود واقف نہیں ہوتے (ترجمہ) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میرے اصحاب میں علما اور حرام کو سب سے زیادہ جانتے والے معاذ اللہ (یہ روایت بھی ترقی کی ہے) اور ابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موقوف ہے: اصحاب کرام میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔

ان روایات اور قصص شریفہ اور اس کی شکل و روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کے لیے لائق خصوص اور افتادہ روایات کا حفظ اور ضبط کرنا کافی نہیں، بلکہ یہ حق علم کی صفات اور روایات کے معانی کو سمجھنے کے لیے ابتدائی مرحلہ اور پہلا قدم ہے۔ اصل مقصود

ان روایات کی کمرہائی میں جا کر ان کی صحیح کچھ حاصل کرنا ہے اور کچھ دوسرے علم میں مقصود اور مطلوب ہے اور یہ ایسا مقام ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی کچھ اور دانش و حکم کا تفاوت پایا جاتا تھا اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی اختلاف کے آثار تھے۔ سب سے علم پر کفر کا اختلاف ایک فطری بات ہے۔

میں نے داخل گرا کر اپنی شیخ احمد عمری کی کتاب "اثر اللہ فی الشریعہ فی اختلاف الامم" کا مطالعہ کیا اور اس کتاب کو میں نے اس کے مؤلف کی طرح علیل القدر پایا۔ - حفظہ اللہ - میں نے اس شخص کی کتاب میں حدیث نبوی کی شکامہ بھی اور واضح روایات کے مطالعہ پر دیکھے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے لوگوں کی کئی جنس میں کو بہت پہنچائی جاتی ہے اور وہ بچکانے والوں سے زیادہ اس بات کو سمجھتے اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں دسویں حدیث کے علاوہ اسلام اور احادیث کے حفاظت اور مہارت دیکھے۔ حدیث نبوی کے کھوکھ کی اساس پر عظیم تشکیلات کی عمارت تعمیر کرنے اور لروانی احکام میں ان کے کھوکھ سے اختلافات کے اصحاب پر مثالوں کے ذریعے غریب روشنی ڈالی۔

مجھے کتاب کے اس پیش قسمت اور مقدمہ مبارک سے یہ حدیث ڈر گیا جس سے مصنف کی جتنی فکر، وسعت مطالعہ اور حسن ترتیب کا بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں اور یہ نہ صرف کمال ہے کہ اتنی مختصر کتاب میں احکام و مواد اس قدر افریقہ میں ایسے سلیقہ سے موجود ہے کہ اس موضوع کی تحقیق کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی جہم کتابوں سے اس قدر مستفاد اور کام و مواد کے کچھ کرنے کی مشقت میں کافی حد تک تحقیق اور کلمات ہو گئی ہے۔

مجھے کتاب میں بھی زیادہ پسند آئی ہے کہ مصنف حدیث نبوی اور اس کے مہال کی معرفت میں دوسرا دیکھتے ہیں۔ اس کتاب سے گل انھوں نے حافظہ دین لکھ کر "تقریب اجتہاد" کی تحقیق فرمائی اور امام ذہبی کی "الکشاف" اور ابن دہان کے علاوہ بھی کتب لکھیں۔ مصنف اپنی اس کتاب کے ذریعے حدیث اور روایت کے درمیان اور روایت الفاظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبعِ اول

لحمداً لله رب العالمین والصلوة والسلام واكمل التسليم على سيدنا
ومولانا محمد رسول الله امام الامة المحمديين وسيد القاهرين والموحدين
وعلى آله وصحبه أجمعين۔

الحمد : اس رسالہ کا ابتدا ایک مقالہ سے ہوئی، جو اہل کفر و فسق و بدعت میں بامقبر کی
تیسری ہجرت کی شام کو بلا وطن کے مشہور اور تاریخی شہر حلب کی ایک بے قصد و بے جان لڑکھ
میں (اللہ تعالیٰ اس قرینہ کا وہم و گم کو ادا کرے) افتخارِ ابراہیم اور عبد اللہ کے موضوع پر میں
نے ایک پچھڑا ہوا مقالہ در سال کے حصے میں شائع کیا ہے، جو میرے اہل و عیال اور مسلمان
بھائیوں نے اس تقریر اور بیان کو زبردستی سے آراستہ کیے جانے کی خواہش ظاہر کی، تاکہ
یہ مقالہ انہوں میں شائع نہ ہو، لیکن اُسے شمار و سادات کا جواب دینا چاہیے اور اہل حق کے لیے سیرابی
کا یا عیش بن کر ان شاء اللہ دینی اطمینان اور ذاتی سکون کی راہ ہو کر نہ سکے، میں ان کی اس
خواہش کو نظر انداز کر کے اللہ کی توفیق سے مقالوں اور اُکس سے موضوع کو خوب دلچسپی میں
داخی کیا، بہت اس مقالہ کے بنیادی عناصر کچھ کاغذ پر نہ چدے۔

سلف صالحین کی اجازت میں جو کچھ میں نے لکھا، اس کو اپنے ساتھ اور مشائخ کی
خدمت میں پیش کیا، چنانچہ عظیم مولیٰ، مہتمم، محبت اور مخلص، اپنے استاد اور مری فیضِ مہتمم
عبد اللہ سران اللہ علیہ السلام اللہ کی خدمت میں اسے پیش کیا، انہوں نے اپنی فیضیت سے

اپنی موافقت کا اظہار فرمایا، کتاب کی خوب تحریف کی اور بے حد سراہا۔
اس کے بعد میں نے رپوش میں تمہارے استاد علامہ مخلص، عظیم محبت اور فیض
عبد القادر کو خدا حفظ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ رسالہ بچھا، انہوں نے مجھے شدید جلاوت
سے نوازا اور اپنی تحریر کے ذریعہ میری جوصل خواہش فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ
اپنے فضل و کرم سے مجھے ان کمالات کا کمال دے، ان کے قلم سے لکھے ہوئے کمالات ہو جائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہاں میں مجھے اس عمدہ اور نفیس مقالے کے مطالعے کا موقع ملا، جس کا عنوان "اثر
الحدث الشريف في افتخار الأبرار" ہے، یہاں کے شہر "صلح" میں ہجرت کے دن
رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ کی دوسری تاریخ کو میں نے ایک ہی نشست میں اس کو مکمل طور
پر پڑھا اور پیش قیمت فوائد حاصل کیے اور کتاب کے مؤلف کے لیے حریہ توفیق کی دعا کی
اور یہ کہ ان کا سب سے اثر اس قدر وسیع ہو کہ پھر مجھ کے اختیار کردہ وسیع اور کشادہ شایرہ کو
پھوڑ کر اپنی خود راہی سے الگ راستے چلنے کے کہ انہوں نے انہوں کے بارے میں لوگوں کو
شکوک و شبہات میں ڈال کر، ان کی سلسلہ علمی شخصیات کو جہالت کا لڑا ہوا بے کرا مت کے
تکڑے کر دینے کے لیے ہیں، ان کا کام ہونی چاہیے۔

الحمد لله كم مؤلف متفاني متفاني في توفيق الله لي في توفيق الله لي وهو سبحانه ولي الإيعام
والقوة من الله تعالیٰ سے انتقام اور سیرابی دہائی کے لیے کی دعا کرتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
الجمعین، حد کل عالم وصالح وصدیق، آمین۔

تکبیر : اللہ تعالیٰ، العزیز، حق وعلیہ عبد الفلاح ابو عبدہ رزقہ
اللہ فی بلدہ سالماً معافاً یعنی وکرمہ۔

(اللہ تعالیٰ کا تاج دہن سے نور و ہدایت اور خداوند اللہ تعالیٰ اپنے کرم و احسان سے
اس کو اپنے شہر و ملت اور مملکت سے کرامت پہنچائے۔)

اسی سال (۱۳۹۸ھ) دہشول کو جمرات کے لیے حضرت اعظم علامہ شیخ حسین بن علی صاحب اعظمی جو ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں (۱۳۶۹-۱۳۹۸ھ) دارے شریف "طلب" تشریف لائے۔ لکھے بہت کوشش ہوئی کہ انہی تک کتاب کا مسودہ طباعت کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ میں نے ہول سے آخر تک ان کو یہ رسالہ بتایا۔ انہوں نے بڑی مہارت اور غور سے سامع فرمایا اور مجھے کے بعد یہ دوسرے کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: آپ نے جو کچھ لکھے چاہ کر بتایا ہے، میں اس کے ہر حرف سے اتفاق کرتا ہوں۔

اللہ شہ کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کام لیا اور دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کو پھر سے لیے اس دن و فجرہ عبادی، جس دن ان کی ہار گاہ میں حاضری ہو اور یہ بھی دعا ہے کہ لوگ اس کتاب سے خوب مستفید ہوں۔ (۱) والہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین۔

مکتبہ: محمد عوامہ

طبع: جمعية التعليم الشرعی

۱۹۸۶ء/۱۳۹۸ھ

تعمید

اشکاف ابن عربہ کے اسباب کا موضوع ہر مسلمان کی علمی اور عملی زندگی کا اہم ترین موضوع ہے، علمی زندگی کا بانی سنی کہ یہ موضوع دین شہین کے احکام کو ان کے اولین سرچشمے کتاب و سنت سے مستحکم کرنے کے طریقوں کے حوالے سے، اس اسلام کی کمال مہارت سے ایک مسلمان کو الحقیقت تک پہنچاتا ہے۔ نیز اور دوسرے پہلوؤں، جن کی تکمیل کا یہاں موقع نہیں، کو اہم کر کے اس کے ساتھ ساتھ اس اخذ و استنباط کی خاطر کی جانے والی عظیم تر کوششوں سے روشناس کراتا ہے۔

ایک مسلمان کی علمی زندگی میں اس موضوع کی اہمیت اس لیے ہے کہ یہ موضوع اس کو ان احمدیہ کے بارے میں مطمئن اور بے فکر بناتا ہے جن کے ہاتھوں میں اس نے اپنی عبادت، معاملات، اخلاقیات اور معاشرتی امور کی ہاک ڈوبی ہے اور ان کو اپنے اور باری تعالیٰ کے درمیان بے فکر و مامور میں داخل فرماتا ہے۔

یہ اہمیت ان اس کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ابن عربہ کے درمیان دروازے والے اشکاف کے اسباب سے مقدر و مبررات الحقیقت حاصل کرے اور یہ معلوم کرے کہ ان کے اعتقادات ان کے مقرر کردہ اصول و ضوابط روشنی میں حق کی تلاش اور حقیقت تک رسائی کی جدوجہد کی خاطر ہی ہیں نہ یہ جوئے ہیں، انہوں نے حق الامکان الحقیقی کو ملحوظ رکھا ہے اور اشکاف وہی کیا ہے جہاں اشکاف کرنا ناگزیر ہو اور اس سلسلے میں ان کو تصور و رائے میں طہر لایا جاسکتا: کیوں کہ وہ حق کے پرچار اور مکمل وحمت کے طلب کار تھے۔

ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے مصیبت اور طور و رائی و طور و رائی کے باعث یا کامیابی کی خاطر کسی دوسرے پر اپنا اختیار قائم کرنے کے لیے مخالفت کی راہ اختیار کی ہو، ان

اس نام پر بحث پیدا ہو کہ کتنا ہے وقت میں اور کتنی زیادہ ضرورتی ہو چکا ہے۔ جب کہ ہم کو مذکورہ بات حقیقت کے خلاف ایک ایسی مہلک اور گمراہ کار سنا ہے جس نے ایک طبیعت کو اپنی طبیعت میں لے کر اس مقام سے چلنے کا شکار اور ان کی عظیم مصلحت سے غمخوار ہونے کو سزا کرنے کا سامان بنجھایا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مقابلے میں اتحاد برتری کی دو پیمائش کی گئی ہے اور واقعی دنیا تک کے لیے داروین اور لگن نظر حق و حق اور حسب الماء کے باوجود، عقلی اتحاد اور دوست چاروں بھی بلند الامتیازات کے خلاف ایسے لوگوں کو حکم پڑا رہا ہے جو غلطیوں سے بچنے کے لیے خود کو کٹا رہے ہیں۔

میں مذی بھٹک سوسوں کے شمس پہلو پر مٹھکھڑکھڑانے کے لیے اٹھ توئی کے حضور میں در
کا خواجہ سواروں، ۱۹۰۱ء ہے کہ ان کے ساتھ کائنات میں جہت نبوی کا کردار ۱۰۰۰ شمس کوکشی نے
حسب ذیل طریق سے بیان کیا ہے:

[illegible]

ب - پہلا سبب : جس کے تحت اس بات کی «خفاحت» کی گئی ہے کہ جو بے شرفیت کب چلے لیں ہوتی ہے؟

۲۔ - قیصر صاحب : جس میں ہر شاہی اداوت کے خاتمے سے اکثر کرام کے مسئلوں کا اختلاف کی وضاحت ہے۔

بعض ایسے اعتراضات و شبہات بھی ہیں جن کو سمجھنے اور حل کرنے میں لوگ پریشان نظر آتے ہیں ان کو بھی مذکورہ اسباب کے ذیل میں پیش کر دیا گیا ہے۔

آخر کتاب میں کتاب کے مضمومات کا خلاصہ بھی پیش کرنے کا ارادہ ہے، (ابن حبار، صفحہ ۱۰۷)۔

نبوی کو مضبوطی سے قیام لینا اور زندگی کی طویل شاہراہ پر اسی کو مشعل راہ بنا کر اس کی روشنی میں زندگی گزارنا ہی اہمات اور کامیابی کا واحد راستہ ہے اور جس نے منہ منہ سے حدیث سے منہ موڑا تو یہ مصلحت اس کی برائی اور سرِ ادا مستقیم سے انحراف کے لیے کافی ہے۔

بہت کئی مسلمان کے قلب و نظر میں ائمہ و بزرگوار کے بارے میں (امین کی روحی امامت کے انحراف کے پہلو پہ پہلو) کا ذکر ہوا ہے، مگر درحقیقت جو جانے گا اسی وقت شرعی احکام میں اختلاف کے اسباب کی تلاش ہو سکے گی، اور جو کچھ ان حضرات میں سے ہر ایک کی تمام تر کوشش سنتِ مطہرہ سے قریب تر ہونے کی رہی ہے، لیکن اگر وہ ان کی امامت کا حق جانے و معترف نہیں، بلکہ قسم و حلی و حلیٰ مٹھتی ہو اور ہم سب ایک دوسرے کے کواکب ہیں، کاغذ و لکھنؤ کا ہے، یا وہ ان لوگوں میں شامل نہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ ان ائمہ دین نے اپنے اقوال کے دلائل کی تلاش میں بالکل اپنے کو اس طرح مبتلا کر لیا جس طرح ڈوبنے والا اسبابِ نجات کے حصول کے لیے سر نہا ہے، تاہم کچھ روایات کی ابتداء کر لیں، تو اس کے دل میں اس بحث و چیمیں میں سرکہانے کا جذبہ ہی پیدا ہو گا، بلکہ اگر وہ عقائد و خیالات سے دیر ہونے کے باعث آگے بڑھ کر ان پر تواتر مجلسوں کی کوشش کرے گا کہ ان کے مقابلے میں اپنی ملی برتری کے اظہار سے بھی باز نہ آئے گا۔

اس کے بعد ائمہ و بزرگوں کے اختلافات کے اسباب پر تفصیلاً بحث کی جائے۔

پہلا سبب

حدیث کب قابلِ عمل ہوتی ہے

سبب اول یہ کلامِ چار نکات پر مشتمل ہے۔ وہ کا تعلق منہ حدیث سے ہے اور وہ کا مشق سے ہے۔ وہ چار نکات یہ ہیں:

- (۱) حدیث شریف کے کچھ ہونے کے بعض شرائط کے بارے میں اختلاف۔
- (۲) کیا عمل کے لیے حدیث کا کچھ ہونا شرط ہے؟
- (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادا کردہ افعال حدیث کے کماحقہ کی بحث۔
- (۴) عربیت کے لانا سے حدیث شریف کے ضبط (گھڑ کر یا زبانی پر) سے محدود حدیث کا محفوظ کرنا (کاغذ و لکھنؤ پر)۔

پہلا اہم نکتہ:

حدیث شریف کے کچھ ہونے کے بعض شرائط کے بارے میں اختلاف اصل و فروع سے دو پہلو پہلے ہونے کے خلاف ہے جس میں ایک اختلاف ہے بیان کر دیا۔ چہرہ ملا دین پر مشتمل ہیں کہ حدیث کے کچھ ہونے کی پانچ شرطیں ہیں:

- (۱) سند کا متصل ہونا
 - (۲) راوی کا عادل ہونا۔
 - (۳) راوی کے بارے میں کچھ اور کچھ طور پر اس کو تنبیہ کرنے کا ثبوت۔
 - (۴) سند اور متن میں شذوذ کا نہ ہونا۔
 - (۵) طبع کا دوسرے حدیث اور متن دونوں کا محفوظ ہونا۔
- اتصالِ سند کے ثبوت کے لیے خود محدثین کا ایک شرط پر اختلاف واقع ہوا ہے جو

نے احادیث کے خلاف ذخیرے کو جس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ کا رد قرار دیا انھیں یہ بڑی تعداد اس حدیث کافی کم ہو جاتی ہے جب ان احادیث کو الگ کر دیا جائے جو امام شافعی کے نزدیک ان چار سو احادیث سے تقریباً نصف ملے اور جہت میں جاتی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۲) **عدالت راوی کا ثبوت**۔ اس بات میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے اور اس سطر کا میدان بے حد وسیع اور کشادہ ہے۔ جس قسم کی عدالت راوی میں مطلوب ہے، اس کی فرصت میں اختلاف ہوں گے۔

۱- کیا یہ بات راوی کی عدالت کے لیے کافی ہے کہ راوی مسلمان ہو

اور اس میں کسی قسم کی جرح کا ثبوت نہ پایا جائے؟

۲- یا یہ کافی نہیں، بلکہ اس کی ظاہری عدالت کا ثبوت پیش کرنے سے

ی عدالت ثابت ہوگی؟ ایسے راوی کو مسترد کیا جاتا ہے۔

۳- یا عدالت ظاہرہ کے ساتھ عدالت باطنہ کا بھی ثبوت ضروری ہے؟

۴- اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک امام کی تعدیل (راوی کو

عادِل قرار دینا) کافی ہے یا ہر راوی کی عدالت کے ثبوت کے لیے

دو اور جرح و تعدیل کی تعدیل ضروری ہے؟

المنکلف کے ان اقسام میں اس کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں وقت جرح کرنے والا کسی مسلم عادل کی عدالت کو بھی ساتھ کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں دیکھنا گفتنی بھی ہیں۔ جس کی شرح کرتا اس مقام پر مناسب نہیں۔ اس کی چند مثالوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جیسے کتنے ہی عادل راویوں کی عدالت کا صرف اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ وہ عراقی تھے، یا فقہاء میں سے تھے جن کو اہل امارت نے کہا تھا انھوں نے عین قرآن کے مسئلہ پر جو احادیث دے دیں۔ (جب کہ یہ خود جرح پر تھا) یا ایسے امور ہیں جن کا رد مالک اور ان سے اختلاف وہی علماء کر سکتے ہیں، جنھوں نے اس علم کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہو اور جو طویل تجربہ کے ساتھ اس علم سے وابستہ بھی رہے ہوں۔

یا راہی طلب برادر کی کو میں نے اس جانب متوجہ کیا ہے کہ وہ جرح و تعدیل کی تاریخ اور جرح و تعدیل کی اشیاء اور ان کی باتوں پر بھی نظر رکھیں جو اس موضوع میں داخل کی گئی ہیں۔ یہ سب مطلوبات کتب میں مذکورہ رسوم و الفاظ کے علاوہ ہے۔ اب ہوا چنے سرمایہ مطلوبات میں مثال کے طور پر ”تقریب“ ہی اشیاء رکھنے کو اس کا کیا مطالعہ ہے؟

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی امام مہم شیعہ یا فقہاء میں سے کسی راوی کی تعدیل کرتے ہیں پھر محدثین یا فقہاء میں سے کوئی امام اسی راوی پر جرح کر دیتا ہے۔ اور ایسے راویوں کی تعداد جن کی عدالت یا ضبط و اتقان پایا جائے ان راویوں کی بہ نسبت جن میں حمزہ جرح تعدیل کا اختلاف ہے، ناچھائی نہیں ہے۔

ان دو وجوہ اختلاف میں ایک اختلاف ایسا بھی ہے جو اختلاف کے دائرے کو بے حد وسیع کر دیتا ہے۔ اور وہ ہیں کہ ایک راوی جس میں اختلاف ہوتا ہے ان سے دوسرا احادیث میں مروی ہوتی ہیں، یا وہ جرح و تعدیل کو عادل قرار دیتے ہیں، وہ ان کی روایت کو تمام احادیث سے استعمال کرتے ہیں اور جو اس راوی کو کفر اور جرح قرار دیتے ہیں، اس استعمال کو تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف ہو جاتی ہے تو اس سے استعمال کرنا بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

ایک اختلاف ایسا ہے جس میں ہر اختلاف کرنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حدیث سے استعمال کر رہا ہے۔ اور ان مرویات کے خطاط کے مطابق احکام کو ملحوظ رکھتا ہے اور وہ یہ بھی ثابت کر دیتا ہے کہ اس کے مدعی کو عقلی احتیاجات حدیثین کے مسئلہ اور جرح کے مطابق ہیں، اس مقام پر ہم اس کے حکام کو مسترد نہیں کر سکتے۔ اسی طرح گجرات کے دیگر شراک کے وجود میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ مثلاً خطاط راوی کی شریعت کے بارے میں یہ ضروری حدیث پیش کرے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خطاط راوی کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے جس وقت اس حدیث کو سنا تو اس حدیث کو بیان کرنے کے وقت تک اس کو روایت نہ کی، اور ہر راوی وہ جیسے پہلے دن اس کو حاصل کیا تھا۔ اس میں

حدیث کی صحت اور کمال عمل ہونے کے لیے پائے جانے والے شروط پر اختلاف علماء سے تعلق رکھنے والے واقعات میں سے یہ روایت بھی ہے جو شمیری نے کتاب اصحاب ائمه حسنة واصحابہ (ص ۱۳۶-۱۳۷) شامی بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: عینی بن ہادون عباسی الطبرستانی علیہ السلام مامون الرشید کی خدمت میں ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے۔ جس میں چند احادیث صحیح کی گئی تھیں اور مامون سے کہا کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آپ کی صحبت میں ان حدیث صحیح سے سنی ہیں جن کو ہادون رشید نے آپ کی تعلیم کے لیے منتخب کیا تھا۔ اور آپ کے دربار میں ایسے خواص ہیں جو ان احادیث کی مخالفت کرتے ہیں اور مراد خواص سے ابوحنیفہ رحمہ اللہ ثانی کے شاگرد تھے۔ اگر یہ ایک حق کتاب ہیں تو ہادون الرشید کا آپ کی تعلیم کے لیے ایک کتاب لانا اور اگر ہادون رشید کا ایک صحیح فتاویٰ جو ہادون رشید کا محزون ہیں ان کو دربار سے الگ کر دینا چاہیے۔ مامون نے کتاب لے لی اور کہا شاید اس مخالفت کی ان کے پاس کوئی دلیل ہو اور میں اس سلسلہ میں ان کی دلیل ان سے دریافت کروں گا۔ پھر وہ کتاب کچھ بعد دیکر سے عین افراد کے حوالے کی لیکن کسی نے قطعی بحث جواب نہ دیا۔ عینی بن ہادون کو اس بات کی اطلاع ہوئی جو اس سے قبل کبھی مامون کے دربار میں نہیں آچکے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب "الفتح المصغر" کے نام سے لکھی اور اس میں اخبار کی و جہد بات سے ابتدا کی کہ ان روایات کو کیسے نقل کیا جاتا ہے اور کن احادیث کو قبول کرنا واجب ہے اور کن کو ردایات ہیں جن کا مسترد کرنا واجب ہے۔ اور جب احتجاج اور حجاج روایات ماننے آئیں تو ہم پر کیا لازم ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ان اہم مسائل کو تفصیل سے بیان کیا۔ پھر ان احادیث کے لیے جواب قائم کئے۔ اور ہر باب میں ابوحنیفہ کا مذہب اور ان کی دلیل بیان کی اور روایات بیان کیں جن سے حضرت امام کے دلائل حدیث سے ثابت کیے اور قیاس سے جو انہوں نے انکا مستحب کہنے کا بھی ذکر کیا۔ اور ہر موضوع کو سبب اور تفصیل سے بیان کیا۔

اب یہ کتاب مامون الرشید کے ہاتھوں میں پہنچی تو اس نے کتاب کا بغور مطالعہ کیا

(چونکہ مامون کا شمار اہل علم و فضل میں ہوتا ہے اس لیے اس کتاب کے دلائل سے وہ بے حد متاثر ہوئے اور کہا کہ یہ قوم کے لیے ایک نکتہ جواب ہے جس کا جتنا اور تسلیم کرنا ان پر لازم ہے۔ اور پھر یہ شعر پڑھا۔

عَسْتَمُوا الْقَضَىٰ إِذْ لَمْ يَهْلُوا ضَعْفًا

لَا تَأْسُ أَهْلًا لَا وَحْشًا

ترجمہ: لوگوں کو تو یہ جان سے مراد ہے کہ وہ اس کی ہم سرنی نہ کر سکے اور پھر اس کے دشمن کو تکلیف نہ دے سکے۔

كَفَرُوا بِالْحَسَنَةِ قُلْنَ لَوْ سَبَّحَا

حَسَنًا وَبَعَا إِلَهُ لَدِيمًا

ترجمہ: ان کا حال خود حدیث کی سوا کوئی چیز ہے۔ جو ہزار بار حمد و ثناء ہی اس کے چر سکے و حمد و ثناء کرتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے قریب ایک ضعیف حدیث دانتے سے لایا اور محبوب اور پختہ وہ ہے۔“ علی کہتے ہیں (مروان بن اسلم ہیں) اور ہم بھی کہتے ہیں۔

اور عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ:

”میں نے اپنے والد احمد بن حنبل سے پوچھا کہ میں ایسے طریقہ رہتا ہے جہاں ایک حدیث ہیں جو کچھ حدیث کا ضعیف ہے احتیاج نہیں کر سکتے اور وہاں اہل امرائی بھی ہیں تو مسئلہ پیش آنے پر کس سے روایت کرے؟ تو میرے والد نے کہا صاحب حدیث سے روایت کرے اور صاحب دانتے سے نہ پوچھے کہ حدیث ضعیف دانتے سے قوی اونی ہے۔“

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ خود بھی مرسل حدیث پر عمل کرتے تھے، جب مسئلہ پیش اور کوئی روایت اس ضعیف کے علاوہ نہ پائے، بلکہ ان کا موقف یہی ہے کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے، اس بات کو علاء اللہ علیہ نے ”فتح الباری“ میں اختلاف ضعیف میں علاء اللہ علیہ کے واسطے سے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

تو اس نے ”فتح عبداللہ صوفی الخوارزمی رحمہ اللہ نے “ فرد المحکم العیض علی کتاب القول فیہ“ المسند التیسیر میں فرمایا

”ہمارے اس قول پر کہ “ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہیں کیا جاتا“ اپنے اہل اہل حق پر جاری نہیں ہو سکا، اکثر لوگوں نے سمجھا اس لیے؟ ہمارے کتبہ میں ایک کتاب کا لکھا ہے جس کا نام ”امور“ ہے اس کے خلاف آٹھویں صدی ہجری کے حکام کا میں سے ہیں، اس کتاب کا ابواب ضعیف پر مرتب کیا گیا ہے اور ہر باب میں انکی احادیث ضعیف کو ذکر کیا ہے جن کو انفرادی ہونے یا اجتماعی اور غلطی طور پر نقل کیا ہو اس کے ضعیف اور مشکل کا بھی بیان کیا گیا ہے ایک مجلس کتاب ہے جس کے مطالعہ سے دل کی

دوسرا اہم نکتہ

جو سنت سے ثابت نہ ہو کیا اس پر عمل کیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث اگر کج یا حسن نہ ہو، مگر اس پر اتفاق ہے کہ اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور احکام شرعیہ میں اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور اگر حدیث ضعیف ہو تو محمود علاء کے نزدیک لغات میں اس پر مستحبات میں اس پر عمل اس کے مصروف شرائط کے پائے جانے کے وقت کرنا چاہئے اور یہ موقف مصروف اور مشہور ہے، لیکن بعض علماء احکام شرعیہ اور علماء احرام کے سلسلہ میں بھی اس پر عمل کو ناجائز کہتے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دی ہے جس کے مصداق شرعیہ ہونے پر محمود علاء نے احتجاج کیا ہے بلکہ حرم علاء نے قیاس کی حیثیت پر اتفاق کیا ہے سوائے محدود سے چند افراد کے جن کی مخالفت کا اپنے مواقع پر کوئی ہتھیار نہیں کیا جاتا۔

ضعیف حدیث پر ایسے مواقع پر عمل اکثر علماء اور حنفیہ مالک اور احمد کا دلہا ہے اور یہی صحابہ کی ایک جماعت کا دلہا ہے جسے امام ابو داؤد، امام نسائی اور ابو حاتم، لیکن وہ شرائط کے پائے جانے پر، ایک قریب کو مضبوط شدہ نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اس حدیث کے علاوہ دوسری کج یا حسن حدیث نہ پائی جائے۔

یہی اس حرم کا دلہا ہے جو بعض میں فرماتے ہیں کہ:

”ایمانی اثر (روایت) دانتے سے ثابت کے واسطے میں ہے، اگرچہ یہ روایت انکی نہیں جس سے احتجاج یا استدلال کیا جائے لیکن حضور اگرچہ ﷺ سے دانتے سے ثابت کے واسطے میں اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں۔“

مطلوبہ کی وسعت، قوت، مصلحت، حدیث، جملہ اور اختلاف اور یہاں کی کوئی نظر و کمال
 ملحوظ رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا نہیں کہ یہ خلاف سنی مطلق ہو۔ (۱۰۰)
 امام ربیعؒ نے بھی کبھی یہی منہ مازی کے سامنے مخر کے بجائے لہ (کھیر)
 کی بحث میں ایک دہائی کے نام میں اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ:
 ”امام شافعیؒ نے اپنے قدیم قول میں اس حدیث سے استہدال کیا ہے
 اور جو قول میں وقت لمبا اور یہ علی کی کتاب میں کہا کہ لملازی اپنے آگے ہوا
 وقت تک نہ پہنچے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو حدیث کی کثرت کا نتیجہ ہے اور نہ اس
 ہذا اس کی بنا پر اس کے بعد شافعی دہائی کے نام کے اختلاف پر غلط سوچے تھے اور
 اس قسم کا حکم دینے میں کوئی عیب نہیں۔“
 مگر یہ ابن مبارکؒ میں ابن مبارکؒ نے امام ربیعؒ سے اختلاف کے حکم پر اکتفا کرتے

[illegible][illegible]

ہوئے اس حدیث کو جس کی طرف اشارہ کیا گیا قطرب حدیث کے لیے مثال کے طور پر
 نقل کیا ہے (علوم الحدیث: النوع التاسع عشر)۔
 علامہ دینیؒ (مجموع ۱/۱۰۰) میں فرماتے ہیں کہ اصل حدیث کہہنا محترم ہے اور
 جائز ہے، جبکہ ان کے نزدیک حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے۔
 ضعیف حدیث پر عمل کا ایک موقع اور یہ ہے کہ جب تک کہ ایک حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل
 ہو جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو اور ایک ضعیف حدیث لکھ لیا جائے جس سے کسی ایک
 معنی کو ترجیح ملے ہے اس وقت ہم ایسی حدیث کو اختیار کرتے ہیں جس کی تائید اس ضعیف حدیث
 سے ہوتی ہے۔ یہ باعث آخر حقیقت میں اور متاخرین سے سترجیح طور پر ثابت ہے۔
 امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "محدّد علی بنی" دلائل القیوۃ کے خاتمہ میں لکھا
 ہے "محدّد لائق" کے شروع میں مطبوع ہے۔

”میں نے ارادہ کیا اور اصل حقیقت کو اظہارِ خیال ہی کی ہے، کیا ہے دیکھو حقائق
 میں کلوٹرلوں کے ساتھ ہی کچھ اور صرف مادہیت کے دکر پر اکتفا کیا ہے اور داکٹر
 حبیب اور مجاہد کو کیا کہنا ہے جن کو، ایسا ہم کچھ ہی دیکھتے ہیں صرف اس حقیقت میں
 اس طرح ہم کو ہادی بھی دیکھ سکتا ہے مگر اور صرف حقیقت سے منظور ہوا کی
 وجہ سے یہ ہو سکے۔ چنانچہ اس وقت میں ان ایسا کہوں گا جو اصل حقیقت اور حادی
 کے لئے ایک صرف اور سبک ہو گا۔“

امام ابن جری کی بھی مانگی دوسرے اعلیٰ تعمیر ”فلسفہ سبیل“ کے حقد سے میں مفسرین کے
 مختلف اقوال کے درمیان ترجیح کی بار بار واضح بات کر کر رہے ہوئے لکھتے ہیں:

”بہت ضرور اکرم علیہ السلام سے قرآن کی تعمیر میں کوئی نہایت آئے قسم
 انہی کو پہلے تھا۔ خاص طور پر جب وہایت و جدت کو ہی چلی ہو۔“

خاص طور پر کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی کسی ایک آیت میں وہ
 اور سے زائد اقوال متعارف نہیں مضبوط حد تک کے ساتھ ترجیح دی جا سکتی ہے۔

[illegible]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے "فتاویٰ المودود" میں لکھا ہے: ﴿فَبَلَغَكَ لَدُنَّ الْأَئِمَّةِ زَوَالُ الْإِجْمَاعِ﴾ میں حمل کے معنی میں اختلاف کا ذکر کیا کہ اس کا معنی کثرت خیال ہے جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ یا اس سے مراد غم اور غور ہے جیسا کہ حنفی اور مہنف میں جمہور مفسرین کا قول ہے اور جمہور کے قول کو چند وجہ سے ترجیح دی ہے۔ جن میں ایک یہ کہ یہ معنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کو حواشی اور صرف نہیں تاہم اس میں ترجیح کی صلاحیت ہے۔ اور وہ حدیث کا کثرت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿لَنْ يَخْتَلِفَ زَوَالُ الْإِجْمَاعِ﴾ ایسی جہان نے اس کو مرفوعاً روایت کیا کہ جب کہ ایسا قائم رہا تو میں نے اس کے مرفوع ہونے کو قطعاً فراموش کر کے اس کو حضرت عائشہ سے منقول کیا اور اسی کو صحیح قرار دیا۔ یہ جمہور مہنف سے مروی قول ہے جو اس کے باوجود کہ یہ قول صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور غریب ہے لیکن بقول ابن قیم: جمہور کے نزدیک ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"فتاویٰ عالمیہ" ص ۱۵۰ (۱۵۱) میں اس مقام پر جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی حالت میں پیشاب کرنے کے جذبات دئے ہیں، وہاں تحریر فرمایا ہے: "جملہ کلمات باہر رکبہ" یعنی کھیلنے کے اندرونی جانب ورا کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا جیسا کہ امام شافعی نے روایت کیا اور اس روایت کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن سبب اور کثرت کے بیان کے لیے کافی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جھٹکین کے نزدیک حدیث ضعیف کا متعدد مقامات پر اعتبار کیا گیا ہے اور اس کی ایک قیمت و اہمیت ہے، لیکن آج بعض اس کے برعکس چمکا کرتے ہیں۔ انھوں نے حدیث ضعیف کو حدیث مضموع کے ساتھ لاحق کر کے دونوں کو ایک ہی "سلسلہ" میں شامل کر دیا ہے۔

تیسرا اہم نکتہ

حضور ﷺ کے ادا کردہ الفاظ حدیث کے اثبات کی بحث

مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کو اسی الفاظ سے تعبیر فرمایا کسی اور دوسرے الفاظ سے نہیں۔ جبکہ اس حدیث میں دو ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ ایک کے معنی ظہر ہو گا مگر عربیہ طور ہے ہیں، وہاں سے تلفظ ہوں جو دوسرے الفاظ کو لینے کے بعد صحیح طور ہے ہیں۔ اور اس اختلاف کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے حدود کے قیمن سے کوئی داخل نہیں سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس وقت کی سیاسی میں اپنی عمریں گزار دیں۔ اس مسئلہ کو مولفین اور محدثین "روایت بالمعنی" کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

روایت بالمعنی:

جمہور علماء اس کے جواب کے قائل ہیں اور اس کے جواب کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ راوی عربی زبان پر مکمل عبور اور الفاظ کے دلالت کی بصیرت رکھتا ہو۔ اس اندیشہ کے باعث کہ وہ ایک کل کی جگہ دوسرا لفظ استعمال نہ کرے کہ جن میں تفاوت پایا جاتا ہو اور وہ مذکورہ قریب و دوروں کا ہم معنی بھیجے۔

لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ایک شرط کا اور اضافہ فرمایا ہے کہ جس کی قدر و قیمت اور اہمیت وہ شخص ہی سمجھ سکتا ہے جو اس راہ کا مرہبہ ان ہو۔ وہ یہ کہ روایت بالمعنی کرنے والا قطعاً بھی ہو۔ (۱) تاکہ الفاظ کی تبدیلی سے معانی پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان کا

[illegible]

اور مشغوبہ کے نزدیک تحقیق میں مطلقاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صحیح قول حق کے نزدیک کھلمکھلے کرنے کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ حروف ہیں جنہوں کو قرآن مسموع ہوا ہے تو ان کے ساتھ جیسا کہ مجموعہ (۳-۴-۵) میں ہے۔

[illegible]

اس کے مطابق جو رکعت مسبوق نے امام کے ساتھ پڑھی وہ صحیح امام کے لیے چوٹی اور آخری رکعت ہے اسی طرح اس مسبوق کے لیے بھی وہ چوٹی رکعت ہے۔ تو جس وقت مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ گئے رکعتیں حاکم سے گاتو اس کی دوسری رکعت نہ ہوگی بلکہ پہلی رکعت ہوگی کیونکہ وہ سلام پھیرنے کے بعد تھا کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ تو تھا ای کی اوتی ہے جو چھوٹ گئیں اور اس میں اتنا بھی سے کرے گا جو پہلے چھوٹا ہے۔ اس لیے پابست مسبوق کے پہلی رکعت ہے تو اس میں وہ جو تکبیر الہم بھی پڑھے گا اور سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ اہی ملانے گا اور اس رکعت کے بعد جب وہ تکبیر سے فارغ ہو کر باقی دو رکعتیں ادا کرے گا تو یہ تیسری رکعت چھوٹ مسبوق کے لیے دوسری ہے تو اس میں فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے گا اور آخری رکعت میں سورہ کو ملانے کے لیے صرف فاتحہ پڑھے گا۔ لہذا جب امام ابوحنبلہ رحمہ اللہ کا ہے اور ایک جماعت ملانے کا بھی اور یہ عمل دونوں روایوں کے اختلاف کے مطابق ہے اس لیے اگر قرأت کے اعتبار سے تو تھا پر عمل ہوا۔ اور خود اور تھمہ کے اعتبار سے اقوام پر عمل ہوا۔ (۱)

اور دوسرے ایسے بہت سے احکام ہیں جو انھوں کے اختلاف پر مرتب ہوئے کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایک راوی کی نظر میں اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر راوی تحقیق ہو اور اس احکام کی معرفت اس کو حاصل ہو جو ایسے مختلف ائمہی الفاظ پر مرتب ہوئے ہیں تو وہ روایت کو اس لفظ کے ساتھ متفق کر کے بیان کرتا ہے اور وہ روایت بائقی کے خیال سے اور اس کے جانکر ہونے کی وجہ سے اس تھا کو نہیں بدلے۔

اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور اگر کوئی ان مثالوں کو فتح کرے گا ہے تو اس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی دسترس میں ان کو سمجھائیں۔ جاسکے۔ جس ایک مثال میں کرتا ہوں۔

میں خطیب بغدادی کی کتاب "الانکسار" (ص ۱۶۸-۱۶۹) سے ان کا کام نقل کرتا

(۱) انظر المسند السنن، تحفہ علی حد الاستقام فی الروایہ فی سیر القرون ۱-۶-۱۰۰۰-۱۰۰۴

ہوں جس میں قدرے طوالت ہے۔ دراصل یہ کاغذی راجح غری کا کام ہے جو انھوں نے "المحدث القدسی" (ص ۳۹۹-۳۹۰) میں بیان کیا ہے۔ خطیب فرماتے ہیں کہ راوی کے لیے مجزہ پندرہ ہے کہ ادا نہ ہو کو بھی الفاظ سے بیان کیا جائے جس میں وارد ہوئے ہیں۔ کیونکہ احتیاط اور صلاح کی راہ بھی ہے اور جو اپنے الفاظ میں متقی بیان کرے تو اس کے لیے پہلی چوکی اور مکمل احتیاط اس لیے ضروری ہے کہ روایت کے معنی بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔

پھر موسیٰ بن مسلم بھی کثیر کے طریق سے ایک روایت نقل کی جس کو وہ ابن علیہ سے اور وہ احمد اصبح بن حبیب سے اور وہ اس بنی انکس سے نقل کرتے ہیں کہ "ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہو عمر طرح لے۔"

ابن علیہ نے مذکورہ بالا سند سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو وضو کرنے کے احوال سے متنب فرمایا اور پھر شعبہ کی سند سے ابن علیہ (مسند ابن علیہ) سے یہ روایت مل کے قطع کے لیے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے کے احوال سے متنب فرمایا ہے اور پھر ابن علیہ کی طرف اس قول کی نسبت کی کہ شعبہ نے مجھ سے ایک حدیث روایت کی جس میں ابن علیہ سے نقلی ہوگی، میں نے ان سے یہ بیان کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مرد" کو وضو کرنے کے احوال سے متنب کیا اور شعبہ نے اس کو علی بن ابی حمزہ سے الفاظ سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرنے سے متنب فرمایا اور "مرد" کا ذکر روایت میں نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں آپ نہیں دیکھتے کہ حامل بن علیہ شعبہ پر اعتراض کر رہے ہیں کہ شعبہ نے مجھ سے روایت کرنے میں نقلی کی اور موسیٰ بن ابی حمزہ کی ممانعت بیان کی جب کہ وضو کرنے کے احوال کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص تھی اور شعبہ نے چونکہ روایت بائقی کا قصد کیا تھا اور "رمل" (مرد) کی تھ جو روایت میں موجود تھی اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا جس کو ابن علیہ نے اپنی روایت میں ضروری جان کر ہی نقل کیا تھا۔ پس

حدیث کو باطلی روایت کرنے سے دو حکم جو مردوں کے ساتھ خاص تھا، عام ہو گیا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں کسی تعریف اور رد و بدل کے بغیر روایت کرنا حق مخالفت حدیث اور احادیث کے لیے بہتر اور مناسب ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ "شعبہ تو شعبہ ہیں، جیسا کہ دوسری جزئی نے کہا لیکن شعبہ کا اپنے دور کے محدثین کے سر شل بنانے کے بارے میں فقہ میں اسامیوں کی ایک ایسی کوئی برتری اور افضلیت کا اعتراف تھا، اس لیے وہ اسامیوں کی علیہ کو رجحان ملتا تھا، اور سید احمد شین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اور شعبہ کے بارے میں حافظ ابن عبد البر نے "مستخرج" میں کہا ہے کہ شعبہ فقہ میں ایسے ماہرین تھے، فقہ میں اسی شعبہ کی بنیاد انھوں نے ایک فقہ راوی کی پرکاش کیا جس کی روایت گروہ حدیث کے بارے میں انھوں نے کیا کہ ان کی حدیث ایک دوسری حدیث سے جڑا کی بابت میں ہے، متعلقہ شعبہ کے کام کے سبب دیگر محدثین نے شعبہ کی اطلاع میں اس راوی پر یقین نہیں جرح کیا۔ بحوالہ ابنا کتاب میں اس کی تفصیل دیکھیں چاہئیں ہے۔

اور غلیب نے ان سب احوال کو ذکر کرنے کے بعد احمد بن اسلمہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ "شعبہ غلب لوگوں سے اہل کرتا ہے، وہاں فقہاء لوگوں کے درمیان واسطہ فیما ہے تو اس کا غلبہ خود کر لینا چاہیے کہ وہ کیا چیز کے اثر اور بندوں کے درمیان کا ہے۔ اور اپنے دوسرے واقعات اور آثار بھی ہیں جو غلیب نے اسانید کے ساتھ بیان کیے، جس میں ابراہیم بن یحییٰ کا یہ قول بھی ہے جو اسے عمل طور پر بھی گئے کا کہ:

"تم اپنے محدث کو بھی گئے کے بارے میں جان کر متے دیکھو غیر ضروری طور پر طعن

کو راہ دور جا کہ طعن کرنا ہے گا۔"

اس لیے اگر نے ان احادیث کو جو فقہاء بیان کرتے ہیں، بغیر فقہاء کی روایات پر نقلیات ہی سے اور افامی، دوسری جزئی نے "المحدثات المصنوع" میں (۲۲۸) ایک غلطی

فصل "القول فی فصل من جمیع من طرقہا والدرایہ" کے عنوان سے قائم کی ہے۔ یعنی جو روایت اور روایت (فقہ اور افامی) کو ساتھ لے کر چلتے ہیں ان کا بیان۔ اس میں یہ قول انھوں نے امام کبج بن ابی راج کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ایک دن اپنے اصحاب سے کہا: "میں جو روایت ابوہائل سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یہ منہ جہان سے نزدیک افضل ہے یا سفیان ثوری جو "مختصر من حلفہ من ابراہیم بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ" کی سند سے بیان کرتے ہیں؟ تو ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ: "میں ان کی دکان زیادہ قریب مند ہے۔ تو کبج نے فرمایا کہ: "میں شیخ ہیں (یعنی حدیث میں ماہر ہیں) اور ابوہائل بھی شیخ ہیں، لیکن سفیان جو روایت مختصر سے اور وہ ابراہیم سے اور وہ حافظ اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، اس سند میں سفیان بھی فقیہ ہیں اور مختصر بھی فقیہ ہیں، اور ابراہیم اور ابی ہاشم اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن ابی عبد اللہ نے الفاظ میں اور فرما لے: "فقہ من غلبہ من غلبہ" اور غلیب بغدادی نے "انکلاہ" کے آخر میں ایشام و امام بیت کے بعض فضائل اور ذکر کیے ہیں اور کہا (ص ۳۳۷)۔

"ایک حدیث یہ ہے کہ روایات جان کرنے والے فقہاء ہیں، لیکن حکام کے

بارے میں فقہاء کی فتویٰ تحریر ہے بہت گہری اور دقیق ہوتی ہے اور اگر کبج کا مذکورہ بالا فقرہ ذکر کیا اور ایشام و کبج بن ابی راج کے اس قول کا اضافہ کیا، وہ حدیث میں کاشف تھا،

ایک دوسرے سے روایت کریں سب سے اعلیٰ ہوتی ہے۔"

پھر ابراہیم بن سعید ابو ہریری کی سند سے کبج کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"فقہاء کی زبان کو مذکورہ روایت حدیث سے مجھے ضرور یاد ہے کہ روایت سے زیادہ

یاد ہے۔"

میں کہتا ہوں (مخالف) اور اس قول کے بارے میں پہلے فقہ کی طرح خود کبج کا ایک واقعہ ہے اور ان کا جواب ان سے زیادہ جامع و محیط عام ہے اور یہ فقرہ "الشرح

والفعلیل" (۲۵-۲۶) میں بیان الہی حاکم نے ذکر کیا ہے اور امام کبیر کا جواب ہے کہ علماء کے لئے ایک فقہاء کی روایت مشائخ سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ حضرت کبیر کا یہ قول عام محدثین کی ترغیبی ہے۔ ان کی تاسیس اپنی ہی رائے تھیں۔ کیونکہ پہلی روایت میں "أحب إليّ ما نقلت" ہے کہ مجھے پسند ہے اور دوسری میں "أحب إليّ ما نقلت" ہے کہ عام محدثین کا یہ شعار تھا ان سب کے لئے ایک ایسی روایت محبوب اور پسندیدہ تھی۔

ابن حبان نے اس بات کی اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کیا ہے اور اس کو ترجیح اور قبول کا وجہ دیا ہے۔ اپنی "مجتہ" کے مقدمہ میں ذکر فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ طحاوی زیادتی کا روایات میں ہم اختیار نہیں کرتے مگر ان کی روایات قبول کرتے ہیں، جن پر ہفت غالب ہو، کیونکہ محدثین روایتوں کے نام اور اسناد کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور حجون کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے، اس لیے جب کوئی محدث کسی روایت کو صرف عابیان کرتا ہے اور اس پر ہفت غالب ہو تو ہم اس کے صرف عابیان کرنے کو اس وقت قبول کرتے ہیں جب وہ اپنی کتاب میں اس کا ذکر صرف عابیان کرتے ہیں اور اسی طرح کوئی صاحب حدیث جو اگرچہ حافظہ اور تحقیق پر اگر زیادتی کسی لفظ کی روایت میں لائے تو میں اس کو قبول نہیں کرتا اس لیے کہ ان کو بھروسہ نہ کی مضبوطی کی نظر آتی ہے۔ یہ بات اتفاقاً زیادتی کے قبول کرنے میں اس کی نایب اختیار ہادی کی دلیل ہے۔

چوتھا اہم نکتہ

عمریت کے لحاظ سے حدیث شریف کے ضبط کا اعتبار و اطمینان

یعنی اس بات پر غور کرنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کا کتنا طریقہ اور طریقہ (یعنی کے ساتھ) یا مضبوط (زیر کے ساتھ) یا غور (زیر کے ساتھ) اور میں اس بات کا علم ہے کہ میری اپنی اپنی افادت میں ہے شکل ہے۔ یہ غور و خوض اس لیے ضروری ہے کہ لغت یا قواعد نو کے معمولی اختلاف سے مختلف معانی اور تفسیریں مرتب ہوتے ہیں اور اس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب دورانیوں کا زیادہ کا مطالعہ کے نکتے میں اختلاف ہو جائے، جیسا کہ کتب سنن کی بحث میں گذرا۔ اس لیے کہ اگر ایک نکتہ کی مختلف روایات میں سے ایک میں کا محقق ہونا ثابت ہو جائے تو بعض اختلاف بھی نہ رہے گا اور اگر روایات مختلف ہوں گی تو لازمی طور پر بعض اختلاف بھی ہوگا۔

میں ذرا بحث موضوع کے تعلق سے ان فقہاء کا ایک مجموعہ معانی بیان نقل کرتا ہوں جس میں اس بات کی اہمیت کو عمومی طور پر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ میں خاص طور پر اس کی اہمیت کو مثالوں سے واضح کروں گا۔

موسط اپنی کتاب مجموعہ مشکل القرآن "کی روشا میں لکھتے ہیں (۱۶-۱۷):
اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے اعراب کی ایک ایسی خوبی عطا فرمائی جو ان کے کلام کے لیے صحت اور نکلت کی ترتیب کے لیے نہایت کامیاب ثابت ہے اور بعض روایات دو ایک جیسے جملوں میں اور دو مختلف معانی میں لفظ کو واضح کرنے کے لیے کام آتا ہے، جیسا کہ قائل اور معلول

امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر رہا ہے کہ انھوں نے اس حدیث سے کچھ نظر فرمایا ہے یعنی مائی جہاد۔ جہاد سلم
 اور دوسری صورت میں جب کہ مراد "فیہکرم" مادہ "ضی" مہول کی شکل میں ہو تو
 معنی پہلے معنی سے مختلف ہو جانے کا۔ یعنی اس کے مال کے جو حصے کیے جائیں گے اور زکوٰۃ
 وصول کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ جس نصف سے چاہے زکوٰۃ لے۔ بلکہ زکوٰۃ اس حصہ
 سے وصول کرے گا جو دونوں میں ہو۔ اس معنی کو ابو احمد جہزلی نے ترجیح دی ہے جو امام
 احمد کے اصحاب میں سب سے نمایاں مشیت رکھتے ہیں۔ ان کے علم، تحقیق اور ہر ہر کی مثال
 دی جاتی تھی اور امام جہزلی نے اضافت مائی صورت کو دواوی کی قطعی تردید ہے۔

اس سبب سے متعلق پیدا ہونے والے دو شبہات

دوسرے سبب پر روشنی ڈالنے سے پہلے دو شبہوں کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتا
 ہوں۔ میں کے بارے میں بہت سے لوگ ذاتی اختلاف کا شکار ہیں۔ ایک تو یہ عقول کا

۱- جب حدیث کا جہاد بات ہو تو وہی میرا مسلک ہے۔

۲- کسی حدیث کا جہاد جمل کے لیے کافی ہے۔

پہلا شبہ: پہلا شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: إذا
 صحیح الحدیث فهو مدعی۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو تو وہی میرا مسلک ہے۔ مثلاً کسی
 مسئلہ میں امامی کی حدیث میں کئی گئی ہو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ اگر ہم نے اس
 پر عمل کیا تو ہم نے ایک مسئلہ پر عمل کیا جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اور ہم نے اختلاف امام
 میں سے ایک حجاز امام کے مسلک پر بھی عمل کر لیا۔ لہذا متعلق اعتبار سے یہ کہا مناسب نہیں
 کہ شافعی مسلک وہی ہے جو ان کے مسلک کی کتابوں میں ان سے نقل کیا گیا ہے۔

ایک جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قول کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو تو وہی میرا مسلک ہے، یہ امام
 شافعی نے ضرور کہا ہو دوسرے حصے میں کہا کہ یہ تو ہر اس مسلمان کے بھلا نظر کی تر جمانی

کرتا ہے جو امام احمد رحمہ اللہ رسول اللہ کا معنی سمجھ کر ایمان لایا ہو۔ امام شافعی کے اس جملے کو ان
 کثیر نے اپنی تفسیر میں صلاۃ، فوسطی، وإمنا صلاۃ العصر کی بحث کے آخر میں نقل کیا۔
 اور اس پر یہ صلیحاً تحریر کیا ہے، یہ ان کی ان اجماعی اور علمی روایت پر ترقی کی، دلیل ہے اور ان اعلیٰ
 ان کے جہاد کی تفسیر کا جملہ طریقہ کار ہے۔ امام تہذیبی ان پر مبنی ہے اور ان سب سے واضح اور
 مانعہ اور رد و غرائی اپنی کتاب "الاحیاء المریۃ" (ص ۶۸) میں لکھتے ہیں کہ:

"ہر اہم میں کو حدیث صحیح کو ترجیح دے، یہ کہنے اور علم میں ت اور علم اصول پر

موراجعہ اور علم کے اختلاف اور ان کے تاخیر کی ضرورت رکھتا ہو، اگر کسی دینی گج

حدیث پر قطع ہو جو ان کے امام کے قول کے خلاف ہو تو میرے نزدیک اس کے لیے اس

بات کی کوئی گمان نہیں کہ اس حدیث صحیح کو ہرگز امام کے قول پر عمل کرے۔"

لیکن إذا صحیح الحدیث فهو مدعی سے اکثر کہا کہ یہ مراد یہ ہے کہ حدیث پر عمل

اسی وقت کیا جائے گا جب حدیث جمل میں ہو اور ہر دینی ان کا مذہب ہوگا۔

اختلاف و شریعہ اور مانعہ کے لئے کرام کے حوالے سے میں اس بات کی وضاحت

کروں گا۔ انھوں نے اپنے اس قول کی مراد کو بھی واضح کیا ہے اور اس قول کے اصل

حاصل میں بھی صراحت کی ہے جو اس قول پر عمل درآمد کی صحت سے رکھتے ہیں۔ اختلاف میں

سے علماء اہل حقنا اکثر علمی عقلی نے جو کہ ان اہل امام کے شیخ ہیں، وہاں پر اپنی شرح کے

دراصل میں لکھا ہے:

"جب حدیث صحیح ہو تو جب کے خلاف حدیث حدیث پر عمل کیا جائے گا اور یہی اس

کا مذہب ہوگا۔ جب مذہب کے اختلاف میں حدیث پر عمل کرنے کے سبب حلیہ سے ملے گا کہ

اس بات کی ابتدا امام بن حنفیہ اس کا طریقہ ہے کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب

ہے اور امام بن حنفیہ اس کا نام اپنی حنفیہ مذہب کے نام سے لیا ہے اور اس بات کو لکھا ہے۔"

علامہ ابن ماجہ (۱) نے ان کا قول نقل کرنے کے بعد اس پر قطعی تصدیق کی

عام شعری نے ہمارے پاس سے یہ بات نقل کی ہے اور یہ نقل نہیں کہ اس کلام کے صاحب ہی ایک ہیں جو خصوص میں فکر و فکر کے اہل ہیں اور کلام کو مستوع سے ایک نکالتے ہیں۔ وہ اہل مذہب نے مکمل میں، ایسی طرح تصور کرنے کے بعد اس میں نقل کیا تو مذہب کی طرف اس کی نسبت گنگ ہوئی، اس لیے کہ اب صاحب مذہب کی اپنا حق سے یہ صادر ہوا ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ مکمل کے صلف پر متعلق ہوتے تو اس سے صبر کر کے اتنی دلیل کی اپنا کر دیتے۔
اور یہ بھی لکھا کہ:

”جہاں شریعتوں کی معارض کے وقت ہوتا ہے مجتہد کا مذہب جتنا ہے اگر چہ اس بات کی صراحت نہ کرے، جیسا کہ پچھلے ہم نے ملاحظہ کیا تھا، اور ہمارے شعری نے نقل کیا کہ اس میں نے متعلق اندازہ کی طرف اس آراء کی نسبت کی ہے کہ وہ صاحب مذہب گنگ وقت ہر جانتے تو وہ ہمارے مذہب ہے۔“

اور علامہ ابن عابدین نے اپنے رسالہ ”شرح رسم المصطفیٰ“ (۱۶) میں ابن عیون کے قول کو نقل کیا ہے اور کلام سابق میں مذکور قیود کے ساتھ اس کو بھی متعلق کیا ہے اور اس قیود کے بعد ایک اور قیود کا بھی اضافہ کیا ہے اور کہا میں کہیں ہوں کہ:

”نقل کرنے سے پہلے اس حدیث کی حار سے مذہب کے کسی قول سے اس کی موافقت نہیں ہوتی، چاہے اس لیے کہ اس قول میں حار سے اس کا نقل ہو، اس کے خلاف اجتہاد کی اپنا ہے اس کے نہیں ہوتی، کیونکہ اس اجتہاد اس شخص کے ساتھ ہے تو قی ہے اور ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس روایت سے زیادہ واضح کوئی دلیل ملی جس کے سبب اس روایت پر عمل نہیں کیا۔“

اور میں (مسائل کتاب) کا چاہتا ہوں کہ وہ اقوال کی طرف متوجہ کریں:

(۱) ایک یہ کہ بعض فریب اور متعلقہ جتنے واسطے حاکم نے حاشیہ ابن عابدین سے

ابن عیون کا یہ کلام نقل کیا اور لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ ان عابدین نے اس کو نقل کر کے اس پر شکوت کر لیا ہے اور یہ کہانے کی کوئی شکل کی ایک حار سے مذہب کی رائے ہے اور خاص طور پر علامہ ابن عابدین، دوسرے ان کی یہ رائے ہے جو حد فرائض طاعت مذہب کے خاتم اکتھین کہلاتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے باطل کی طرح علامہ شعری کی کتاب ”المیوز ان بکھری“ سے اس قسم کی عبارت نقل کر کے اپنا ہے اور ان کے کلام کوڑا حال نکالا ہے اور ان کی اکثر جتنے ہوئے کہا کہ:

”علامہ شعری جیسے معتبر اور متحمل صوفی کا کلام مذہب کی اتباع میں یہ اقوال ہیں

اور بقایا یہ اقوال ہیں لیکن بات تو حق اور سچ ہے، مگر ان کا اور دوسرا اور بظاہر کا ہے اور حق یہ باطل کا حق کر کے مقصد لوگوں کی آنکھوں میں بھول بھوک ہے۔“

دوسری بات جس کی طرف میں توجہ دانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ علامہ ابن عابدین کا انھیں وقت کے کلام پر متعلق ہے کہنا ”ولا یحسن ان یطاعت لمن یطاعتہ...“ کہ یہ بات کسی پر نقلی نہیں کہ یہ کلام اس کے لیے وارد ہے جو اس کی اہلیت بھی رکھتا ہو اور اگر ”ولا یطاعتہ“ استعمال آج کل کی اصطلاح میں مکرر لے دیں گے ہے، گو کہ علامہ ابن عابدین اس قیود کو حدیث میں شمار کرتے ہیں اور ایسے مسلمات میں سے کہتے ہیں جس کے قبول کرنے میں کسی قسم کا توقف اور تعقل جائز نہیں۔ یہ اس قسم کی بدیہی بات ہے جیسے کوئی کہے سورج نکلا ہوا ہے۔ جس کا مطلب ہے اس جگہ رات نہیں دن ہے، اسی طرح امام شافعی روایت کا قول ”انما صحیح الحدیث ظہور مدعی“ بھی ایک بدیہی امر ہے اور مسلم ہے کہ یہ قول انبی کے لیے ہے جو خصوص میں غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہو اور تاریخ اور موضوع کی معرفت سے حاصل ہو، غیر وہ ظہور و قیود کو پرگز یہ بات نہ عام نہیں، بلکہ ہم غرض اور طریقہ غور و تحقیق کے لیے ہمارے ہے کہ وہ اس مسئلہ والا مقام کا معنی کریں جس کے وہ اہل ہیں، خاص اقل سے بھاگنے کی آن میں قیود اور سخت ہے۔

بہت سے برغور لفظ اور فریب میں جھکا کرنے واسطے اشخاص اس قیود کی اہلیت سے

اور علمائے ہندو کے ہیں۔ امام جہت اور اصول پر مہمور رکھنے والے شہاب الدین
ابو ابراہیم قرطبی نے اپنی کتاب ”شرح المساجد“ میں اس قسم کی الجہت رکھنے والے کی الجہت
طریقہ خاصیت کی ہے۔ موصول فرماتے ہیں:

اس وقت پاکستان میں سڑکی کی حالت سے ایک اور انکشاف ہو رہا ہے کہ ان کی حالت بدلتی جا رہی ہے۔ سڑکیں ابھی ۱۵-۲۰ سال قبل کی عمر کی ہیں اور ان کی مرمت کے بارے میں کبھی سے کوئی جدوجہد نہیں ہو رہی۔ پاکستان میں سڑکیں کھنڈ خنڈ ہیں۔ ان کی مرمت کے بارے میں حکومت کی کوئی پالیسی نہیں ہے۔

دعاؤں کے اقبال میں سوائز کر کے اقبال لکھتے تھے۔ ان کے کلام کی حق کے مطابق اور
مطابق اور ان کی اس لیے حق لکھتے تھے کہ انھوں نے سوائز کر کے ان کے اقبال لکھے۔
مطابق اور انھوں نے ان کی اقبال لکھے۔ ان کے اقبال لکھے۔ ان کے اقبال لکھے۔

[illegible]

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کیا کام ہے اور کرام اور ان کے اصحاب کی کیا مراد ہے؟ جواب میں موصول حدیث دیکھو کہ ہر مومن مومن کا دوست ہے اور کفار کا دشمن ہے۔ ”ما ملینا“ کے معنی ہم میں جو پہلے ”انفجارِ ماسکین“ کے نام سے ہو، دوسری بار ”قواعدی علومِ اسلامیہ“ کے نام سے شائع ہوا (کے طبع کمال کے سطر ۶۵-۷۵ اور طبع ثانی کے سطر ۷۰) میں ان اقوال کی حقیقت جان کر تے ہوئے لکھتے ہیں

”وہ اصل یہ نہیں دیکھ سکتا کہ اختلاف کا اظہار ہے کی اصل دلیل اور حجت
قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے میرا قول نہیں لےنا میرے قول کو مشکل نہ لیں اور مجھ سے
کہا جائے اور میں اپنے جیسے قول سے روکتا ہوں اور اگر میں اس کا علم نہ
میں یہ علم کی حدیث کے خلاف ہو اور اس حدیث کے اظہار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس
قول کی حدیث سے نہ چلے ہوا اس قول کی نسبت امام شافعی اور امام کی طرف کردی جائے،
نہ کہ یہ کہ یہ اپنے اپنے گھر میں ہے کہ اس علم کی بنیاد پر نہ کہ حدیث کا علم ہونے پر
اس کے مطابق ہم لکھنا اور یہ گفتیں نہ کرنا کہ اس کے مطابق دوسری حدیث پائی جاتی
ہے یا نہیں؟ جو اس حدیث سے حق اور نہ اس کے خلاف سے زیادہ کچھ اور صاحب نہیں بنا کر
انکس اس طرح ثابت ہوتا ہے تو مجھ پر یہی ضرورت تھی کیا تھی؟“

اس سے پہلے شیعہ کے جواب میں فقہائے کرام اور ائمہ عظام شیخ ابن عابدین، ابن
صلح اور ابن کے شاگرد ابی حاتم اور ابی حاتم کے شاگرد امام نووی اور علامہ قرطبی و علامہ سبکی
رحمہم اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ لکھا ہے: قول مذکور مشہور (انما صحیح الحديث الصحيح) کو بنیاد
نہ کہ مذہب شافعی یا کسی اور مذہب کی طرف کسی علم کو منسوب کرنے کی اہلیت اور حق صرف
اس کو پہنچتا ہے جو حدیث اختیار پر قادر ہو یا اس حدیث کے قریب پہنچے ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگوں کا یہ حق نہیں بلکہ کسی حدیث کا علم ہونے پر
اگر چہ کچھ ہو متعلق ہونے کے ساتھ اس پر عمل کی ضرورت نہ ہو، یا پھر امام شافعی، یا کسی
دوسرے مذہب فقہی کی طرف اس حدیث کچھ سے ثابت شدہ علم کو منسوب کر دیں اور پھر
اپنے اس قول پر عمل کو کسی محدث امام کے معتبر مذہب فقہی پر عمل قرار دے۔

علامہ ساجینی میں کہہ رہے ہیں، جب اس قسم کا طریقہ اس قول کے ظاہری معنی
کو دیکھتے ہوئے اختیار کیا تو بعد ازاں نے ان کے اس طریقے کو لکھ کر قرار دیا کہ ان کی تحقیق
والا عمل اضطراب و انتشار کا مظہر ہوتا ہے لکھنا اور دلیل و اہل کو ان واقعات سے عبرت
حاصل کرنی چاہیے۔ کہوں کہ اللہ کے دین کی عظمت کے پیش نظر فضول اور باطل لوگوں کو

حجت پر عمل کی آوازیں دینے کو کھلا دیا ہے کہ وہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

ابن سب ہاتھوں کے باوجود امام شافعی رحمہ اللہ پر اس کلام کے ظاہری معنی کے حقیقت
ہونے کا ہم ہرگز انکار نہیں کرتے اور اس نوع کے کلمہ سبک بھی ہیں، جن میں امام شافعی
رحمہ اللہ نے اپنے قول کو حدیث کچھ کے اثبات پر متعلق کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے
خانکھی میں اظہار کیا کہ حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ”فجعلني حيث عيسى“
میں یہ حرام سے محال اس وقت ہو جائیگی جہاں آپ ہمیں روک دیں۔ (یعنی کوئی ظہر
نیاری وغیرہ کی وجہ سے اگر کچھ کے طور کو نیاری نہ کہنا مشکل ہو جائے تو شافعی کے پاس اس قسم
کی شرط صحت احرام لگا سکتے ہیں، بعد حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حافظ صاحب نے لکھا کہ یہ
ابن حاتم میں سے ایک ہے، جہاں امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے قول کو حدیث کچھ کے
ماتحت متعلق کیا ہے اور میں نے اس نوع کی یہ حدیث کو ایک الگ کتاب میں جمع کر کے ان پر
کلام بھی کیا ہے، پھر برصغیر کے لیے حدیث ہال کا کام ہے جس اور کسی شخص کے لیے یہ صاحب
فہم کی کہ اپنی حیثیت سے کوئی بی بی یا داد کرے۔ کیا ہمارے لیے یہ بھرتہ ہوگا کہ ہم ان
حضرات کے واقعات سے عبرت حاصل کریں جو صاحب علم و فضل ہو کر بھی اس انداز بھی کا
اظہار ہوئے اور ہم ثابت قدم ہیں اس امام کے قول پر جس کی افکار اور ذوال سے ہمارے
لئے اللہ تعالیٰ نے آسان فرمادی ہے؟

اس کتاب کی طبع اولی میں بعض حضرات نے اس جملہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا
کہ یہ تو آدمی کی تہذیب ہے اور اللہ عطاء کے نزدیک ہال کے مترادف ہوتا ہے۔ پھر ایک نسخہ
بھی دکھایا کہ اپنے کلام کی ضرورت دیکھتے ہوئے ان علماء کے بارے میں جن میں اختلاف
کے شرانگہ حال ظہر پر جسکا پائے جاتے، لکھتے ہیں۔

”وہ آج کل کے سمجھوتہ، جیسے ہیں، جب کہ ان بات کا بھی مترادف ہے

کہ اس زمانے میں علماء کی اکثریت تقلید میں سے ہیں، اس خاطر میں اختلاف کے
شرانگہ حال ظہر پر نہ پائے جانے والے علماء کو ہی ہال قرار دے سکتا ہے جو ان سے باہر

کہ یہاں خود (اس جسم کے خالق) کا کھانا کھائے؟ لیکن اس زمانے کے علماء کو علماء بھی قرار دے دیتے ہیں اور ان کے اعتقاد کے اس طور پر، جو دے جانے سے پہلے اور نگاہ کے سبب ان کو یہاں تک کہ حقیقت بھی دے ہیں۔

اس تضاد کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کروڑوں قیمت کے سونے کے بالکوں کے
تاکرو میں یوں کچے ٹھکانے گھس کے پاس تو سونے کی اتنی مقدار نہیں، وہب اس سے بڑھا
کیا بلکہ کئی مقدار ہے؟ تو جب میں وہ اسحق یوں کہے، تو انکا ستریں اور عاجز ہے کہ
اپنے اور اپنے بچوں کے لیے ایک دن کی غذا کا بندوبست بھی نہیں کر سکتا اور وہب آپ اس
سوال کو اور تھوٹلی پر تعجب ظاہر کریں تو وہ یوں کہے، جس کے پاس ایک دہی کے کھانے کا
انظام نہیں، اس کے بارے میں کیا یہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کروڑوں کا مالک نہیں؟ یا اسحق
اسی طرح کی منطق سے متفق ہو جائے، تو موصوف کہتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ علماء
کے نزدیک یہ مسئلہ کی بجلی قدرہ اور قیمت ہے اور ایک سفر بھی جی نہیں کھتا ہے کہ یہ مقدار وہ اتنا ہے
جس میں اس وقت کے شرائط کامل طور پر نہ پاسے جائیں اور یہ حقیقت ہے کہ جو تھوٹیل کے
مراحل سے گزرتا ہے اور کامل ہونے کے قریب پہنچتا ہے اس کو کامل نہیں کیا جاتا۔ اسی
طرح جو شخص حریف ہوتا ہے اسے شک ہے، بالکل نہیں جانتا وہ اس میں کامل ہو رہا کبھی نہیں
پہنچتا۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ سوال تو یہ رہا جس میں لفظ ہوگا۔

اور چونکہ اس قصہ سے غافل ہیں، انعام اللہ علیہ جیسے دمرائے ”الاسودہ“ میں ہمارے
 ائمہ کے شاگرد ائمہ اہم دمرائے ”انعام المؤمنین“ میں امام احمد بن حنبل دمرائے کے
 حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام احمد سے سوال کیا کیا ایک لاکھ حدیثیں یاد
 کرنے کے بعد کوئی نتیجہ دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، مسائل کے بعد لاکھ لاکھ لایا۔
 نہیں کیا، غرض لاکھ لایا نہیں کیا۔ چار لاکھ اقوال بھی حرکت سے ہاں شمار لایا۔ یعنی
 چار لاکھ احادیث سنیں اور کھیلے کے بعد شاید نتیجہ یہی نکلتے ہوں اجتہاد فتویٰ دے۔

پھر شیخ اہل حق اور ائمہ دینوں کے احقر ہیں۔ تاکہ امام اہل حق اور برادر

کے بارے میں ان ہی سے نقل کرتے ہیں کہ: جب میں جامع حضور میں غوثی دینے کے لیے بیٹھا تو میں نے پہلے بیان کیا۔ (کلام احمد اور اس کا کاتب میں احوال) آپ نے یہ کہ ایک شخص مجھ سے مخاطب ہوا کہ آپ خود غوثی کے لیے بیٹھتے ہیں، جب کہ آپ کو اتنی قدر و احترام کی یاد نہیں۔ میں نے جواب میں کہا: اللہ تعالیٰ تم کو کفایت عطا فرمائے، اگر مجھے اپنی افتخار و جاہ و شہرت کی یاد نہیں تو میں اس شخص کے قول پر غوثی دینا چاہوں، جس کو اس نے بھی لایا اور مقدار خط غوثی اور ان کی سرحد کلام احمد کے قول پر غوثی دینا چاہتا، جنھوں نے ساتھ ساتھ لایا تھا اور پتے میں سے انتخاب کر کے میرا احمد کو تحفہ دی۔ (۱)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْغَيْبِ اُنْ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ علم عمل اور اعتقاد کے لحاظ سے ہر ائمہ چاروں میں ہو۔

دوسرا شبہ

حدیث کا صحیح ہونا عمل کے لیے کافی ہے۔ اس قول کے حاکم کی مراد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہم پر لازم کر دی ہے، جب حدیث صحیح ان سے ثابت ہو تو یہ بات عمل کے لیے جوت ہے، اور یہی ان کی اتباع کے لیے کافی ہے، اور کسی مسلمان کے لیے جو چاہے نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کو گناہ و گناہوں سے بچنے اور وہ بھگتی عمل درآمد سے رک جائے اور وقت کرے جیسا کہ امام شافعی نے معینی کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ: ”کیا میں کر جاؤں کہ حدیث سنتوں اور اسے اختیار نہ کروں“ جس کی تفصیل امام رائے کتاب میں گذر چکی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی غیر معصوم کی اطاعت کو لازم نہیں کیا، چاہے علم میں اس کا مقام انتہائی بلند ہو۔ جواب کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ اس شبہ کا ماحصل دو مسئلوں میں ہیں ہے:

- (۱) حدیث کا صحیح ہونا عمل کے لیے کافی ہے۔
- (۲) ہم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے اور لوگوں میں سے کسی فلاں فلاں کی اتباع کا نہیں حکم نہیں دیا گیا۔

جواب: پہلے مسئلہ کا جواب شبہ اول ”مَدَامْ سَجَّ الْعِدَّةُ فَمَوْ مَدْعَى“ کے جواب سے معلوم ہوا ہے اس پر مزید ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا صحیح ہونا عمل کے لیے کافی ہے، کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں عمل کی صلاحیت اس پر عمل کے لیے کافی ہے اور حدیث کی صلاحیت، حدیث کی سند اور متن کی صحت اور تفصیل کے علاوہ دیگر شرائط جس میں شروط

حدیث اور اصولی داخل ہیں، کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث پر عمل کے لیے انتہائی کافی نہیں کہ ”تقریباً اجتہد یہ“ میں اس کی سند کے حامل چاہے اس کا معلوم کر لیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ یہ تو ان ائمہ حدیث کا انتہائی مبالغہ اور اہمیت کا حامل عمل ہے جو حدیث کے تمام علوم اور اصول و فروع کو جانتے ہیں، حدیث کی خدمت کرنے والوں کی بجائے فائدہ فہمی فقہ کے نا کارہ افراد سے ہے جس بہت سی احادیث اور مسئلوں کے نا کارہ اور ضائع ہونے کی فضا دین جاتی ہے اور یہ لوگوں کو گمراہ کرنے کا بھی سبب بن جاتا ہے۔

دین الی شیعہ دسر اللہ نے ”شرح طلس الترتیبی“ میں اور ابو نعیم نے ”طیغ“ میں یحییٰ بن یونس من الامم کی سند سے ابو نعیم کی نقل نقل کیا ہے:

”میں جب حدیث سنتا ہوں تو مجھ میں احترام کرنے والی بات ہے اس کو اختیار کرتا ہوں اور اپنی کو کھینچتا ہوں۔“

حافظ امام ابن مہاجر دسر اللہ نے ”جامع بیان العلم“ میں اپنی سند سے قاضی ابو یوسف ابن ابی الجہلی دسر اللہ کی طرف سے نقل منسوب کیا ہے کہ:

”حدیث میں اختلاف اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس میں سے عمل کو اختیار کر لے اور اصل کو چھوڑ دے۔“

ابو نعیم نے ابی یوسف بن مہاجر بن ابی اللہ بن عبد الرحمن بن مہدی دسر اللہ کے حالات اور سوانح عمری کی ابتدا میں لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

”کوئی شخص حدیث میں امامت کے ادنیٰ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک صحیح کو ترجیح سے انک و کر لے اور وہ اصل اختلاف چھ سے چھوڑ دے اور اصل کے صحاح (جہاں سے ہم کو حاصل کیا) کو چھوڑ دے۔“

حافظ ابن مہاجر نے اپنی سند سے اپنی کتاب ”المرآۃ“ (۱-۲۲۲) امام ابو یوسف بن ابی اللہ کی طرف سے نقل منسوب کیا ہے کہ:

”میں نے یحییٰ بن مہاجر سے سنا، اسے قاضی کی مجلس کا امام مالک اور ابی یوسف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو سختی سے تعبیر فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث کو اس کے صحیح مفہوم میں استعمالی و رشد و ہدایت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور خطیب بغدادی کی ”الاصلاح لاحادیث الطروی و آداب السماع“ میں امام شافعی کا یہ قول درج ہے۔

”ما یک من اہل رسالت سے کہا گیا کہ ان میں سے کسی کے پاس دہری کی سند ہے انہی رسالت ہیں جو آپ کے پاس ہیں؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ جو حدیث بھی میں سنوں کیا میں کہوں یا نہیں کہہ دوں؟ اس طرح تو میں نہ کہوں نہ کہوں نہ کہوں۔“

اسی لیے ابن وہب نے کہا حدیث سے علماء کے علاوہ دیگر لوگ گمراہ ہو سکتے ہیں۔ مراد اہل اہل بیت و فقہاء ہیں جبکہ ان میں سے کلام میں گذار۔

لہذا ثابت ہوا کہ ائمہ فقہاء کی صحبت سے کھڑی اللہ کے ساتھ گمراہی اور گمراہی سے نجات ملتی ہے۔ اس بات کی گواہی ابن عیینہ اور ابن وہب نے دی اور دوسرے ائمہ سے اس موضوع پر جو ان کا اقرار نقل کیا اور جن اس سے اقوال پیچھے نہیں کیے گئے میں ان میں سے چند ہیں:

ابن عیینہ سے ابن ابی ذبیہ قہرانی، فضیل جندی اور ابن جبر الہشمی نے نقل کیا اور ابن وہب کے اقوال میں ابی حاتم، ابن مبارک اور ابن ابی ذبیہ، ابن مبارک و حماد بن عمار، ابن عمار اور ابن وہب نے نقل کیے اور ابن مبارک سے ”تہذیب“ میں اتفاقاً علی خلافی کی سند سے میں نے بار بار ابن وہب سے کلام... کا کلمہ سنا ہے اس لیے جو مصاد میں نے ذکر کیے ہیں اس میں ابن وہب کے اتفاقاً زیادہ ذکر ہوئے۔

اب اس بات سے ظاہر ہے کہ خطبہ مالک حضرت کا یہ اعزاز مالک کا پاس تھا۔

امام ترمذی درمطالعہ نے اپنی ”مسنن“ میں امام علیہ کی روایت ذکر کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر ابن کو غسل دینے کا بیان ہے جس پر امام ترمذی نے طویل تحقیق کے بعد ان اتفاق پر اپنے کلام کو ختم کیا۔ و كذلك قال الفقهاء، وهم أعلمنا بالحديث یعنی فقہاء نے اسے بھی فرمایا

اور وہ حدیث کے معانی سب سے زیادہ ہاتھ آتے ہیں۔

اور حافظ خطیب نے ”المقیبہ والمغنیہ“ میں لکھا ہے کہ: جان لو، کتب حدیث کی کثرت اور ان سے روایت کرنے سے آدمی اپنے آپ کو بہت سمجھتا ہے۔ حقیقۃً ان ائمہ حدیث سے معافی کے ساتھ ان لوگوں کے تقصیر سے بڑا ہے۔ مگر امام مالک کی طرف سے بات منسوب کرنے کو نے لکھا کہ: ”انہوں نے اپنے دو بیٹوں، ابن ابی اسلمہ کے دو بیٹوں، ابو بکر اور اسماعیل کو حدیث فرمائی کہ میں دیکھتا ہوں کہ حدیث کے معانی اور ان کے قیاس کرنے اور خطب کرنے کا بہت شوق رکھتے ہو اور اس کو پسند کرتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! تو ارشاد فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو حدیث سے علیحدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ اور ان کو علیحدہ کر دے تو تمہارے لئے حدیث کے معانی اور ان کے قیاس کرنے کا بہت شوق رکھنا۔“

اور خطیب نے اپنی سند سے ابی نعیم فضل بن زکین کی طرف نسبت کی ہے جو امام بخاری کے مشہور اسناد میں سے ہیں کہ امام نے فرمایا:

”میں امام ابو حنیفہ و مصنف کے ساتھ گھر کے پاس سے گذر رہا تھا وہ دروازہ

کھولنے کے لئے کڑا (یعنی اس کا آواز کہ میں تمہاری امداد کروں گا) تھا میں نے ان سے عرض کیا کہ اے امام! حدیث کا کلام اور اس سے نقلی چیزیں دہرانے میں پر عمل کیا جائے گا اور اس کو نقل کیا جائے گا اور یہ تاریخ ہے اور یہ منسوب ہے اسی لیے امام مالک سے اسے حجاز میں سے جڑواں قبول ہوئے تھے حدیث بخیر میں ان سے نہ سنا ان کا کتاب کرنے تھے جو ابھی طرح حدیث کے معانی سمجھنے کے لئے اس کا نام نہ بیان کرتے تھے۔“

خاصی معانی و مصنف نے ”تہذیب لمبارک“ (۱۲۷۱-۱۲۷۵) میں بیان کیا کہ امام مالک نے اپنے شاگرد و مقلد ابن خلدی کی طرف منسوب ہو کر فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم فلاں سے بھی روایت لینے ہو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! تو فرمایا کہ اہم فقہاء میں سے روایت لینے تھے۔

اور اس سلسلہ میں ابن کے دام تھا اور فقہاء امام ابو حنیفہ اور ابی حنیفہ نے خطیب نے

”کہا“ (ص ۹۹) میں امام مالک سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دہری سے فرمایا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہو تو غلط میں غیب خوب احتیاط سے کام لو۔ ان کے دوسرے شیخ امیر المومنین فی اللہ علیہ السلام اور امیر اہل بیت ذکوان تھے۔ ان کی طرف ابن ماجہ لے کر ”تابع بیان اعظم“ (۹۸۴ھ) میں یہ روایت منسوب کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم امام بیت اہل بیت اور مستقر ائمہ کو انھوں سے لیتے تھے اور ہم اس کو قرآن کی آیات کی طرح سمجھتے تھے۔

اور اہل بیت اور اس کے فقہاء کے سرخیل اور امام اہل بیت علیہ السلام رحمہ اللہ نے بھی اسی سہولت کی طرف سہولت کی ہے۔ ان سے شلیب نے روایت کیا کہ: ”مطہر علی ایک دن ابراہیم بن علی کی مجلس میں رہے سے پہنچے اور ابراہیم نے کہا کہ: اے مطہر کیوں دیر سے آئے؟ تو کہا: حدیث کے روایت کرنے والوں میں سے ایک شیخ مجھ سے پاس آتے تھے تو ہم نے ان سے اجازت لی تھی۔ اس پر ابراہیم بولے کہ: تم اس مجلس سے روایت لیتے تھے جس کے بارے میں ہمیں یقین ہوتا تھا کہ حلال اور حرام کو حلال سے الگ الگ کر کے بیان کر سکتے ہیں اور تم ایسے شیخ کو دیکھو گے کہ وہ حدیث بیان کرنے میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال سے بدل دیتا ہے اور اس کو یہ بھی نہیں لگتا کہ جس کی کراہت ہو۔

شلیب نے ”مطہرہ واسطۃ“ میں امام حنفی کا ایک طویل قول روایت کیا کہ امام حنفی امام شافعی رحمہ اللہ کے علوم کے واسطے تھے اس مقالہ کے آخر میں امام حنفی فرماتے ہیں۔

”امام پر ہمارے ان اصحاب حدیث میں خوب غور کہ جو ہم نے جمع کی ہیں۔ اور ہم اہل بیت سے حاصل کردہ حدیث میں غماز میں ہوا ہے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ شارح بخاری اپنی کتاب ”کتاب الاشیات“ میں لکھتے ہیں:

”اہل بیت امام ہمارے مالک بن انس پر نام فرمائے۔ اپنی ہی روایت کے مطابق ان سے روایت کیا گیا کہ انھوں نے قرآن کے نام حضرت صالح علیہ السلام سے ہم اہل بیت کے بارے میں روایت کیا تو فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہم اہل بیت کو روئے چڑھا

جانے۔ تو مالک رحمہ اللہ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ہر قسم کے علم کا سوال اس علم کی اہلیت اور صلاحیت دیکھنا ہے نہ کہ چاہیے۔“

یہ چند باتیں دیکھی ہیں جو امام بیت کے ذخیرہ پر فکر و فکر کے ساتھ فقہاء کی طرف رجوع کی اہلیت کو واضح کرتی ہیں۔ ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف حدیث کا صحیح ہونا ہی عمل کے لیے کافی ہے۔ اور اس قسم کے خیال سے حقیقی ایک اور بات بھی ہے جس کا بیان ضروری ہے تاکہ اس قاعدہ خیال کو گمان کا فساد نہ ہو اور اس جملہ مادیاتی کا پرہیز چاک ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے متفقہ صالحین کے طریق کار پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ روایت کو سنتے ہی تحقیق اور فوری عمل درآمد میں لگتے تھے کام نہ لیتے تھے۔ بلکہ وہ یہ تحقیق کرتے تھے کہ اس پر عمل بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ ابھی علامہ کوثری رحمہ اللہ کا قول یاد رکھو:

”جو کچھ حدیث سے مادیاتی جواز سے جاری ہوتے ہیں اور ان میں یہ صلاحیت

قد ائیں ہوئی کہ رسول اللہ روایت کو بغیر رسول اللہ کے لکھ کر لیں۔“

یہ ایک طویل موضوع ہے جس کو میں اپنی قیودانی ماہی رحمہ اللہ (دفاتر: ۳۸۶ھ) کی ”کتاب الاجماع“ سے اور بعض مباحث کی ”ترتیب المذاہب“ سے نقل کروں گا جس میں متفقہ صالحین کا یہ موقف صاف طور پر بیان ہوا ہے کہ بعض امام بیت پر عمل ہو سکتا ہو تو ان پر عمل کیا گیا کہ وہ جب کسی نے بھی عمل نہ کیا تو اس پر عمل نہیں کیا گیا کہ چاہے روایت کو ثقہ اور معتبر راویوں سے ملنا کیا ہو۔

ان اہل بیت علیہم السلام نے اہل سنت اور اہل حق کے ساتھ اور ان کے طریق کار بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”حضور علیہ السلام کی سنتوں کے بارے میں یہ بات مسلم ہے کہ اس کا ساتھ دینا ہے۔ ہر گاہ کہ جس سے اور متفقہ صالحین نے جہاں تامل کی ہے ہم بھی جہاں

قاضی مہاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ترقیب المیزانک (۵۳۶-۵۳۷) میں امام حاکم کی کئی جہات میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔

[illegible][illegible]

ابو نعیم نے اس اور ابی نعیم کی طرف اس قول کو منسوب کیا کہ راتے روایت کے بغیر مستقیم نہیں ہوئی، بالکل اس طرح جیسے روایت سے راتے کے بغیر مستطاف و جنس کیا جاسکتا اور اسی قسم کا قول نام مجتہد فی الملہ ابی محمد حسن علیہ السلام نے اپنے طریقہ پر عمل راتے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

قاضی رامبروز علی نقوی ۱۹۳۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم ابتدائی اور ثانوی سطح پر ہوئی۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب "تاریخ اسلام" نے ان کی شہرت کا باعث بنی۔ ان کی دیگر تصانیف میں "تاریخ اسلام" اور "تاریخ اسلام" شامل ہیں۔ ان کی وفات ۱۹۸۰ء میں ہوئی۔

”علم کے آداب کا خیال کیوں نہیں کرتے اور ان کے آگے علم پر علم کیوں نہیں کرتے جس علم سے کیوں غلام کا بھی خلق رکھتے ہیں، غلام کی غفلت کا حق بھی دارا کو، راجا کو، گورنر، دیوبند میں بھی ان کے حق اور امت مسلمہ کی حق اور جادو و جادو خواہش سے کام نہ لیں، راجا کو کوئی حق نہ ہو، دارالافتاء کا گورنر نہ کی، دونوں کی غفلت کا احترام کرو، اور دونوں کی طرف سے کام نہ لے، اختلاف کو، افتاء دارالافتاء میں جب کسی جادو یا جادو کا جادو اور ان کی طرف سے کام نہ لے، جادو میں جادو ہے، جادو میں جادو ہے، جادو میں جادو ہے۔“

ابو یوسف یحییٰ بن ابی اسحاق الخولانی ۳۸۸ھ مرمرہ علاقہ شہن ابی دار اور کی شرح "معالم السنن" کے
۱-۳۳۰ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں اب اس شخص سے کبھی نہیں ملے گا۔“

وہ اس طرح کی انجی احادیث کو اختیار کرتے ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے بعد کے لوگوں نے عمل کیا یا جن میں سے کسی جماعت نے اس پر عمل کیا اور جن احادیث کے ترک پر انھوں نے اتفاق کیا ہو تو اس پر حارے لیے بھی عمل ہوتا نہ ہو گا وہاں لیے کہ جب انھوں نے ان روایات پر عمل اس کا علم ہو جائے کہ باوجود جس کیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ ان احادیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:
 ”اس زمانے کو لو جس پر تم سے پہلے لوگوں نے عمل کیا، اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے تھے۔“

پھر ص ۱۳ میں فرمایا کہ:

”لوگوں کو ان روایات سے چٹا چٹا نہ کرنا کہ یہ وہ علم ہیں آئیں یعنی اگر کے بعد آتے امام شافعی اور امام مالک بن عقیل اور ان کے مثل لوگوں کے بعد ہوئی اپنی باتیں ۱۴ میں روایت آئیں اور ان کی شریعت میں ان کی اصل نہیں اور انکی باتیں جو سنہ ۱۵۰ھ کی احزاب کے نام سے لوگوں سے ظاہر ہوئیں جب کہ وہ سنہ ۱۵۰ھ سے قبل داخل خلاف ہے اس لیے کہ ان کے بعد کو مشاورہ ہو جائے اور انکی روایت سے نہ کسی کا فقرہ اپنی خاص صحت اور عدم کی وجہ سے اور ان کی آئیں یا انکی انھیں اختیار کر لیں۔ جس کو ان کے حلقہ میں داخل نہیں مقرر کیا۔“

اور امام ابو یوسف (۱۵۰-۲۴۰) میں امام احمد سے روایت ہے:

”اگر کسی آدمی کے پاس تعلق کر وہ کتابیں ہوں اور اس میں قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اختلاف صحابہ یا بعضی حدیث ہو تو کسی کے لیے جائز ہو گا کہ اس میں روایت پر چاہے عمل کرے اور وہ اپنی فہم اور دیکھ پر موقوف کرے اس کا اختیار کرے اس کے مطابق فیصلہ سے اس پر عمل کرے، بلکہ اس پر اہم ہے کہ اس علم سے روایت کرے کہ ان روایات پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس پر عمل مطلق ہو سیکے روایات کے مطابق ہو۔“

چنانچہ ان کے اس قول کو ذرا غور رکھنا چاہیے کہ بھلا صط قولہ ”حتیٰ یستل اہل العلم ما رواہ حدیثہ“ اس لیے کہ اس میں خبر ہے۔

ان کلمات پر غور کرنا چاہئے کہ کلم کے لیے اہل علم سے رجوع ضروری ہے کہ وہ صرف سے فرمادیں کہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو یہ روایت عمل کے شرائط پر مبنی آتی ہے، اس میں صحیح اس بات پر ہے کہ یہ روایات کو ان شخص کی حدیث کی صحت پر مبنی کرتے ہوئے اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے اور اس کے ذہن میں بھی ۱۵۰ھ ہے کہ چونکہ مسئلہ کے اثبات کے لیے صحیح حدیث مل گئی۔ تو گویا عمل کے لیے انکا کافی ہے۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اور جلد بازی یا سبب کسی شے پر حکم لگانے اور فتویٰ دینے کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اہل علم سے روایت کرنا ضروری ہے جہاں فقہ اور اہل معرفت ہیں جب ان سے روایت کیا جائے گا کہ یہ حدیث قائل عمل ہے یا نہیں؟ اس وقت وہ روایت کی جائے چاہاں اور تحقیق کر کے اس روایت کے قائل عمل ہونے یا نہ ہونے کا فتویٰ صادر کریں گے۔

اور امام محمد بن یوسف ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”لیکن روایات بہت سی ہیں جن پر حارے عمل نہ کرنے کا یہ فتویٰ مل رہا ہے صحت سے صادر کیا ہے“ (۱) اس سے پہلے انہی اپنی اپنی کا قول گذر چکا ہے کہ حدیث میں صحت کی حدت کا اس وقت چھ چٹا ہے جب وہ قائل عمل کو غیر قائل اس حدیث کے درمیان امتداد کر سکیں چنانچہ اہل علم کا فتویٰ کہ یہ حدیث قائل عمل کو ترک کر دے۔ (۲)
 حافظہ (۱) نے ”سیر اعلام النبلاء“ (۱۸-۱۹) میں ان حرم کے حالات اور سوانح عمری پر بیان کرتے ہوئے ان کا کچھ نقل کیا ہے، انکا حرم کا قول ہے کہ:
 ”میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور سچا کرتا ہوں اور کسی کو سب کا غلو کا پتہ نہیں

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۲۰۰

(۲) اہل علم و دانش پانچویں جلد ص ۲۸۰ (۲-۳)

سمتوں کے اس قول پر حیرت ہوتے کہانی ہاں اور اچھا ہے۔ ہے کو کھنچ جانے اور اس کے بعد اچھا رہے گا تو ہونے کی گواہی اس وقت کے خدا اور فقہاء دوسرے ہی جہاں کو کسی کی تہذیب کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ فقہیم کے ابتدائی دور میں ایک بچہ قرآن یاد کرتا ہے یا اکثر حصہ یاد کر لیتا ہے تو وہ کہنے لگتا کہ کلامی کر سکتا ہے اور دوسرا مسئلے کے بارے میں کیا کہے گا اور کسی بچہ کو دیکھا جاتا کہ کوئی مسئلہ پیش کرے گا جیسے کہے ہوئے کے پتے کا کس کے پتے لگنے سے پہلے لانا سہل ہے۔

قسم کا مسئلہ ہاں ایک فقہ کا مال، بیاد مضرہ اور دوشنبہ اورین صحت میں کو فروغ یا دہوں، اور اصول کے قواعد لایز ہوں وہ تو اہل عربیہ خود ضرورت میں بھی باہر شمار ہوتا ہوں اور قرآن کریم کے معانی اور تفسیر کا بھی علم رکھتے ہیں اور اس میں مشاعرہ کی قوت بھی ہوتی ہے اور وہ فقہاء اور حجاز و نجد کے دور سے کو کھنچ سکتا ہے، ایسا شخص آخر کے دلائل میں غور و فکر کی صلاحیت دیکھتا ہے۔ اگر اس مقام کے عالم کے لیے اگر کوئی مسئلہ ایسی دلیل اور نص کے ساتھ واضح ہو جائے جس میں مسئلہ کے صحیح اور حق ہونے کے لیے کافی ہو اور اس پر علماء مجتہدین جیسے ابو حنیفہ، مالک، شافعی، ابو حنیفہ، احمد اور اسحاق جیسے فقہاء اور محدثین میں سے کسی ایک کا عمل بھی ثابت ہو تو ایسے حق کی اطلاع ضرور کرے، اور تفسیق اور کتاب کرتے ہوئے اپنے لیے ہر ایک آسانی اور رخصتوں کو تلاش نہ کرے اور یہ چیز گماری اور دوسرا کا اختیار نہ کرے اس پر جہت کا تم کرنے کے بعد اب تکھیک کی گواہی نہیں۔ اگر اس کو خوف ہو ان فقہاء سے جس سے ڈر نہیں کر رہا تو ان سے مسئلہ میں گفتگو کرے اور ان سے کچھ بھی نہ کرے، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ شخص کے کسی دھرم کے میں جھکا ہو اور تکرار سے اس کا خیلا، دشمنیت کا حصول ہو تو اس کا تعاقب کیا جائے گا اور خلافت کے پردہ میں صدر سے اس کی نصیحت و نڈارتی ہو بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حق بات کہتے ہیں اور معنی کا علم کرتے ہیں، لیکن انہی تعالیٰ ان پر ویسے لوگ مسئلہ کر دیتے ہیں، جو ان کو اذیت پہنچاتے ہیں، اس لیے کہ ان کی نصیحت سہل ہوتی ہے اور مقصد حق کی اطلاع نہیں ہوتی، بلکہ جب ہوا اور وہی رہا ہے اور

انکو ارہ پر نظر ہوتی ہے کہ لوگ اسے اپنا راہنما اور سرور تسلیم کر لیں، علماء سوء کے نظموں میں پوشیدہ یہ بیماری ان کو ہلاک کر کے ہی ہم لگتی ہے۔

مذہب لہرنا ہے جس کا حافہ زہبی کے اس قول پر غور کرنا چاہیے کہ:

”ہب کسی مسئلہ میں حق ان کے لیے واضح ہو جائے اور اس میں نص واجب ہو، اور مشورہ اس میں سے کسی ایک سے اس حدیث پر عمل کی جائے اور پیچھے بہ بات کو مزید چلی کہ کہ جو کسی ایسی جگہ حدیث کو عمل کے لیے اختیار کرے جس کو تمام مجتہدین نے اذعاناً یا اختیار کیا ہو تو یہ تکرار عمل قبول نہیں، اس تکرار کا کوئی اختیار نہیں ہے۔“

اور جسے حافہ ابن ابی وہب مثلی نے کہا کہ:

”کوئی شخص مسئلہ کی کتاب میں بہت مشہور ہوتا ہے وہ کہ اپنے جواد اور غیر معروف اطوب کے سبب وہ صحت کی حد پر پہنچتا ہے جس جگہ وہ ہے اس لیے کہ وہ ایسی چیز اس کو عمل کے لیے منتخب کرتا ہے جن کو اس سے پہلے حدیث میں اس کا علم نہ تھے کے بارہا مل نہیں کیا۔“

اب میں ابن قیم کا اور امام ابو حنیفہ کے بارے میں ایک دعویٰ کا حال لکھتا ہوں جس پر امام زہبی اور ابن ابی وہب کے حیرت کو بھی ذکر کر رہا ہوں۔

ابن قیم کا نام احمد زہبی علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

”نام احمد کے کوئی عمل دماغی، یا کسی کمال اور عاقبت کا مدغم نہیں

کچھ حدیث پر عمل کی راہ میں سائل نہیں تھا۔“

امام زہبی کے کلام سے صراحتاً پہلے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت حال میں مجتہد کو اس حدیث کی عمل کرنا چاہیے اور ابن ابی وہب کے کلام میں صراحت سے ظاہر ہے اور ان جیسے لوگوں کی خدمت سے جو دایمے شاذ قول کو عمل کے لیے اختیار کر لیتے ہیں، جن پر کسی کا عمل نہیں ہوتا اور اسی اور حقیقت میں کی کثافت کر کے وہ عمل کے لیے ایک دعویٰ کو کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ جس حدیث کو ہم نے عمل کے لیے اختیار کیا ہے، وہ صحیح

ہے۔

بعض لوگوں نے ابن قیم کے اس حکام اور اس نوح کے دوسرے حکماء کو شذوذ کے اختیار کرنے کا ایک ذریعہ ٹھکانا ہے، مگر ایسے مسئلہ سے بھی تعرض کیا جس کے بارے میں تنقیدی اور انجمن ائمہ اور ان کے بعد چھاپہ نے اشباع غفلت کیا ہے اور یہ ممکن گوشتوں کے لیے سونے کے سحر کا حرام ہونا ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں۔

اور میں کہتا ہوں (مؤلف) کہ امام ذہبی اور حدیث جب کی غرض و راسل ابن قیم کا امام احمد بن حنبل کی طرف اس قول کی نسبت کو ضعیف قرار دیتا ہے، اگرچہ ابن قیم خاص طور پر اپنے مذہب کے اصول کو ایسی طرح جانتے ہیں اور عام طور پر دوسرے مذاہب کے اصول سے بھی واقف ہیں۔

مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۳۲۰-۳۲۱) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

”ایک مسئلہ میں امام احمد کے قول ایسے ملے ہیں جن میں سے ایک قوی مشہور

قول ہے اور دوسرا مثل حزام بن عتیبہ سے ملتا ہے جس کی امام احمد کے قول کا اس طور پر

عمل کرنا اس کا اصل کام دوسرے کی تصدیق کرتا اور اس سے بچہ ہے کہ اپنے قول کو

اختیار کیا جائے، جس سے ان کے حکام میں تناقض کی صورت پیدا ہو اور عام طور پر

اس صورت میں جب کہ دوسرا قول ایسا ہو جس کا سلف کو علم نہیں اور خود امام احمد

فرماتے ہیں کہ اپنے قول سے بچہ جس میں کوئی امام تھا اور ساتھ دے اور مطلق قرآن

کے مسئلہ میں کوئی آرائی کے ایام میں اور فرمایا کرتے تھے میں ایسی بات کہنے کوں،

جو اب تک کسی نے نہیں کہی اور میری دھمک فرماتے ہیں کہ مجھے احمد بن حنبل سے

خاص کر کرتے ہوئے کہا اے ابی الحسن! اپنے مسئلے میں شک و کرہ جس میں کوئی امام

تھا دے ساتھ دے، اور میری وہ شخص ہیں جن کا میر ۱۳-۱۸ میں احوال لکھے ہوئے

امام ابی حنہ اظہر فرماتے ہیں کہ امام حافظ ابی حنہ رحمہ اللہ امام احمد کے شاگرد اور

ہاں ان کے ہمراہ ان کا شمار ہوتا ہے، جب آپ نے غلبہ کا مقام دیکھیں میں ان کے قیام

انہی کی صحبت خود ہی واضح ہو جائے گی۔“

(ابن تیمیہ، ص ۳۰۰-۳۰۱، ص ۳۰۲، ص ۳۰۳، ص ۳۰۴، ص ۳۰۵، ص ۳۰۶)

اور الفقہ والہ متفقہ: ص ۸۶-۱-۱۳۲ کی عبارت گذر گئی ہے کہ جو حافظ

کبیر تھے اور علی محمد بن یحییٰ بن علی علیہ السلام علیہ السلام کی موت ۳۲۳ھ کی سند سے مذکور ہے

جس میں فرمایا: ہر وہ حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھیں اس پر عمل نہیں کیا تو اس کا عمل کے

بابت بھی تم کو اس کے بارے میں تحقیق ہو کہ کسی صحابی نے اس پر عمل نہیں کیا تو اس کا عمل کے

لیے اختیار نہ کرو، پھر خطیب نے اس کے بعد یہ فرمایا کہ جب تک مامون راوی ایسی

روایت بیان کرے جس کی اسناد صحیح ہو اس کو محدثین اور فقہاء و قاضیوں نے مسترد

کر دیا ہے کیونکہ وہ انعام امت کے خلاف ہوتی ہے، اور خلاف انعام کو اس حدیث کے

مستور ہونے پر دلیل دیتے ہیں، اس بات پر کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے،

کیونکہ یہ ہاتھ نہیں ہو سکتا کہ حدیث صحیح ہو اور مستور بھی نہ ہو اور انعام اس کے

خلاف متفق ہو جائے۔

اور یہی بات ابن الظہار نے اس حدیث کے بارے میں کہی ہے جس کو ابن ابی

باب میں ہم نے ذکر کیا ہے اور انہی بات کرتا جو حنفیوں میں سے کسی نے نہ کی ہو مگر

محققانوں کے نزدیک ایک ایک عنوان کے حروف ہے اور اس کی مثال ”احمدی“ ہے

و اسنادہ“ (ص ۱۱-۱۲) میں ابی حنہ کی روایت ہے جو احمدی نے امام احمد سے نقل کی

ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”میں جب کسی سے حاضر کر کہ جس نے اس کو نہیں پہنچا، تا کہ بتا دے کہ

میں نے غلطی کی ہے اور میری غلطی ہے، کہ اس وقت چھوڑا ہوا ہے اب اسے مانگ رہا

ہوں تو فرما دیا جائے، ان سے حدیث نہ لیا گیا کہ کچھ عنوان قرار دیا جائے گا کہ فرمایا:

جب وہ ایسی بات پر مصر ہو جس سے پہلے کسی نے نہ کی ہو اور کوئی کہے کہ امام کی کے

اس قول کا کیا جواب ہے کہ جو شخص انکی حدیث پائے ہوگی وہ جگہ کا عہدہ جو انکی کسی نہ اس پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لیے اس پر عمل کرنے کی کھاتل ہے تو انھوں نے "میں قول امام باقر علیہ السلام (۱) میں ہے کہ عہدہ انکی حدیث کے مطابق ہے۔ اگر انسان خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہونا فرض کرے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اپنے ہاتھ سے ترک کیا ہو تو اس کے لیے عمل میں تاخیر کی کھاتل ملتی ہے۔ اور اس پر اگر نہیں بلکہ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کا مکلف ہے۔"

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ سب سے پہلے عہدہ انکی کی عہدہ است پر غور کرنا چاہیے اور وہ عہدہ است ہے: "الاولیٰ عندی الساعۃ الحدیث" کہ میرے نزدیک حدیث ہے عمل کرنا ہی افضل ہے۔ اس عہدہ است میں "حدیث" کے لفظ پر غور کیا جائے یعنی میرے نزدیک یہاں ہے تو صاف واضح ہو گا کہ وہ ایسے مسئلہ کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں جو آخر کے لئے ایک حقیقت یہ ہے کہ میرے لئے ایک ایسے موقع پر مطلقاً حدیث کی اتباع کی جائے اور امام باقر علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر حکماء کہنا ہے کہ ایسے مواقع پر عمل کے لیے شرط یہ ہے کہ کسی امام نے اس پر عمل کیا ہو۔ اور اس کا مطلب ہے جو گزشتوں کی کسی امام کے عمل کو حدیث پر ترجیح دی جارہی ہے۔ اور عمل کیا جا رہا ہے کہ حدیث جہت اور دلیل ہی اس وقت ملتی ہے جب کوئی امام حدیث اس پر عمل کرے اور اس سے قبل وہ حدیث علم کے لیے جہت نہیں بن سکتی، معاذ اللہ! اور اگر گزشتوں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو ہر حال میں قابل عمل اور ہر مسلمان کا سر تسلیم خم کرنے کے لیے صرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی امام کا عمل کر لینا اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ حدیث میں نے اس حدیث کے ترک پر اتباع نہیں کیا ہے، کیوں کہ کسی حدیث کے ترک پر علماء حنفیین کا اتباع اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں دوسری قابل عمل حدیث موجود ہے۔ جو اس حدیث پر عمل کے باب میں حاکم اور راجح ہے۔ حاکم بخاری میں سے اس شرط کی

طرف امام باقر علیہ السلام اور ان کے بعد جہت حنفی پر سبقت کرنے والوں میں امام اعین صلاحیہ سے جن کی کام ساتھی میں گزر چکا ہے اور (۲) جس پر علامہ علی کا شیر و بھی گزر چکا۔ انکی صلاحیہ فرماتے ہیں (۱):

"انکرا میں اجتہاد عقلی کا حق ہے بشرطیکہ عمل طور پر نہ پائی جائیں اور اپنے دل میں حدیث کی مخالفت کا شکی اور ہمسواں کرے اور جب کہ حدیث تحقیق ہو اس حدیث کے خلاف پہلے والوں سے اس کا یہاں شکی جواب ہی دل شکستہ جس سے اس کا دل مطمئن ہو۔ پس اس کو دیکھا جائے کہ کسی شخص اور محدث امام نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اسے حدیث کے اس حدیث پر عمل کر کے اس کے لیے کھاتل ہے کہ اس کے لیے کھاتل کے مذہب کو حدیث پر عمل کرنے کے لیے اختیار کر لے اور اس مسئلہ میں وہ اپنے امام کے مذہب کے ترک کرنے پر مجبور ہو گا۔"

حنفہ میں کے کلام میں اس بات کے بہت شواہد ملتے ہیں کہ حدیث صحیحہ ان کے سامنے آئی اور انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اس کی چند مثالیں قریب ہی گزری ہیں۔

مثال کے طور پر انکی اپنی کھاتل کا قول: حدیث کی کھاتل اس وقت بنتی ہوئی ہے جب کہ وہ قابل عمل اور قابل عمل امامان میں اختیار کر سکے، انکی رجب حنفی کی شرح "مطل" اثر دہلی میں امام محمد سلیمان ثوری سے نقل کیا گیا ہے کہ کئی احادیث حار سے سامنے آئیں جن کو عمل کے لیے اختیار نہیں کیا گیا اور وہ دوسری عقلی کی جہت میں امام باقر علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ ان احادیث کو عملی سمجھا اور حاصل کر میں پر عمل نہیں کیا جاتا جیسا کہ ان احادیث کا علم حاصل کرتے ہوئے عمل کے لیے اختیار نہیں لگتی ہیں اور ایسے اقوال امام کے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہنے کی ہے کہ امامان کی کھاتل کے کلام سے استدلال کرنے والوں کو امامان کی کھاتل میں گمراہی سے غور کر کے کہنے کی ضرورت ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی

(۱) واکام القیمی السافل مرجع من القرآن خدا الشرفی من المصنف الحدیث انما کلام من رجب حنفی

(۲) "مرکب المعنی والمصنف" ص ۱۶۱۔

آگ سے بچی ہوئی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کرنے کا ہے۔ یہ روایت سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی ہے اور امام ذہری کا قول یہ ہے کہ آگ سے بچی ہوئی چیزوں کے لیے وضو کا حکم بدلنا مسجد کی امت کے لیے ناخوش ہے کیوں کہ بابت جو سابق میں موجود تھی منسوخ ہو گئی، جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے وہاں اس کی توجیہ مذکور کی جاتی ہے، اور اصل اس کلام کی اس حدیث البخاری کی "اتحد" ۳۳۲۱-۳۳۲۲ میں ہے، اور امام ذہری فرماتے ہیں کہ اس پر اعتراض مستند ہوا ہے کہ آگ سے بچی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ہے، مگر اولاً کے گوشت کا اس حکم سے استثناء مقدم ہے۔

امام شافعی کے پاس انوش کا گوشت بھی اس میں شامل ہے اور اس کے کھانے سے بھی وضو لازم نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اصول (۳۳۱۷) میں اس موضوع سے متعلق اجماعی حجتی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"مفرد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اپنے اصل کے اعتبار سے علم کے وہ ہے میرا

وہاب کا حکم رکھتا ہے اور وہ اس میں اس سے کم تک ملتی ہیں جو سے ہے جنت کی ہے ہم تک جو کام مل جاتا ہے اس میں اصل حکم میں ردائیوں یا بدلے یا ہفتی کے حضور کے سب قریبیہ اور جاتا ہے، وہ جس نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی اس کے لیے حکم کی حجتی اور جائز اور مل بھی وہاب سے جاتا ہے، لیکن میں کے پاس کلام امام شافعی کے بعد وہاں کے اور یہ لکھا ہے اس کے لیے قرآن مجید کے کلام سے ثابت ہے اس میں اس کے لیے بھی حدیث جائز اور حجتی کلام ثابت کرتی ہے اور اس کا بھی ماہب کرتی ہے لیکن کسی بھی مسئلے کے طریق میں شبہ جاتا ہے اس کا سبب بھی حد کلام متعلق کرنے والا ہوتا ہے اور کسی حدیث میں کسی یا کسی میں متعلق اس میں شبہ جاتا ہے اور حصول میں شبہ کسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت ہوتی ہے، یا کسی اور حدیث سے اس کا خلاف ہوتا ہے یا اگر اختلاف کے سبب شبہ یہ ہو جاتا ہے اور ہم اس موضوع پر بحث کر رہے ہیں وہ انہیں صورتوں میں سے ایک ہے۔"

ابن ابی حاتم نے اس (۳۳۱۷) میں لکھا ہے کہ وہ اس میں حدیث سے فرمایا کہ:

"بہت حدیث ہے اس میں حدیثیں اشکاف میں ہیں سے مختلف حکم ثابت ہوئے ہیں لیکن ایک پہل کر دے دوسری پہل میں ہو سکتا ہے دوسری کا اعتبار کیا جائے تو مکلی پہل ممکن نہیں رہتا اور جس ناخ اور منسوخ کا حکم اس میں مذکور ہے اور تاخیر کا حکم ہے کہ پہلے کارنا کرنا ہے، دوسری کا کلام اس لیے کہ اگر کرنا کا حکم ہو تو حدیث کے کلامے والی حدیث مکلی حدیث کا منسوخ کر دے، تو قرآن مجید سے اصل کی صورت میں یہاں تک کہ قرار ہے اس کوئی حدیث لکھی جاتی تھی، اس لیے کہ اصل اپنی اسلئے حدیث ایک حدیث کا دوسری ہے وہ اس میں مذکور ہے، لیکن اگرچہ حدیث حدیث سے لکھی جاتی تھی کہ اس کوئی حدیث لکھی جاتی تھی۔"

اور امام ابو داؤد اپنی ضمنی الی واداء میں فرماتے ہیں:

"بہت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں حدیثوں اور اس حدیث کو

دیکھا جانے کا جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کے لیے اختیار کیا۔" لا عقب

(حدیث: ۱۷۴۳)

اس موضوع پر بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس شخص کا حالی میں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لیکن کیا جاتا ہے وہ صحابی ہو یا غیر صحابی، اس شخص سے مختلف ہے، جو اپنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر اور جو غرض کر کے اس سے خود سن لے تو وہ والا جو شخص وہ تو اس حدیثوں کا حکم رکھتے ہوئے ایک حدیث پر عمل کرنے پر مجبور ہے، اولت سنا سننے کا حاضر اور مشاہدہ کرنے والا اور براہ راست مستند والا تو وہ بھی ایک حدیث پر عمل کرے گا، لیکن دوسری حدیث کا حکم یہ ہے کہ اس کی صورت میں بھی اور علم ہونے کی صورت میں بھی، اور جس طرح ہو گا کہ صحابی سے کہ اور صحابی نے روایت کی اور جس نے سنی وہ خود اس کی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے تو جس حدیث کو اس نے براہ راست اس کی صلی اللہ علیہ وسلم میں سنا اس کو اس حدیث پر حدیث پر مقدم دیکھے گا اگر ایک صورت میں شخصی

اور یحییٰ اٹھارہ جواب ہے ان لوگوں کے بارے میں جو اہل حق و باطل، کلمہ و کلمہ اور حق و باطل پر اعتراض کرتے ہیں اور ہمیں اس چیز کی دعوت دیتے ہیں کہ جس کو وہ حق و باطل کے واسطے اہل حق و باطل سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے دیگر عقائد سے منہ پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ ان اعتراضات پر جواب دینا ہمیں اس لیے تعلیم نہیں کر سکتے کہ وہ حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حق سے باطل طور پر جاننے اور عمل کرنے والے تھے، بلکہ علم ہو کہ نام تقلیل کا مفید ہے اور تقلیل کے جس معنی میں مستعمل ہے، جس کے معنی قرآن نے زیادہ کے لیے ہیں، یہاں مراد وہی نہیں اس لیے کہ ان احقر کے مقابلے میں تمہارے علم کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ پر چلنے ہی کے اشتیاق اور عزم نے ہمیں اس طریقے کے اختیار کرنے کی طرف راہ دکھائی ہے۔ جو طریقہ انھوں نے اپنے علم اور عقائد سے سوچ سمجھ کر اختیار کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں سے استدلال کرنے والے کتنے مہاس رضی اللہ عنہما کے دوسرے اقوال سے بزرگ استدلال نہیں کرتے جس میں انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر حکم کے لیے طے نکال کر ثابت کیا اور ظاہر نفس پر عمل نہ کیا، جیسا کہ وہ حق جو طواف میں کیا جاتا ہے، کی نسبت کے کمال نہ تھے، بلکہ حق کو سنت طواف قرار دینے والوں کے بارے میں فرمایا کہ "کلمہ یا معنی انھوں نے غلطی کی ہے، یا ان سے اس بارے میں خطا ضرور ہوئی ہے جیسا کہ صحیح مسلم ۶-۱۲۷۷ میں ہے کہ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ کام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو میں اس کا چھوڑ دوں گا اور میں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

اور آخر میں یہ عرض ہے کہ یہ نام بھی کے کلام کا جواب ہے جس کو اس جہل نے "ہات فیہات" کے مفہوم میں اکر لیا ہے جس کا ترجمہ "آؤ آؤ" ہے جسے کسی کمر کو قوز دینے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ ان کی جہت اور دلیل جواب کی وضاحت کے باوجود کمر قوز لے والی کہلاتی ہے، تو ان کے دوسرے دلائل کی قوت کا اعتراف خود ہی لگا لیجئے۔

قیاس کی انگشتان منہ بہا مرزا

ان کے جہل پر قیاس و قیاس کی آئی ہے کہ کسی سے یہ چھ گیا کہ آپ کی دلی قناعت کیا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ انکی دلیل جس پر وضاحت نظر کرے اور اس واقعہ جس پر رسوائی اور فضیلت (۱) کو بھی پہنچا جائے، یا ایسا شہرہ جو رسوائی کے معنی کلمہ میں ملے کے قابل ہے کہ وہ۔

دوسرا اطفال تک ایک مسلمان صرف حضور و اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا منصف اور مامور ہے کسی غیر کا نہیں، تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ: آپ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسلام اور محمد ہیں کام جن کے کلام کے بغیر جیسے مذکور ہوئے جو سراسر صحت کی پابندی کی تالیف اور دعوت پر مشتمل ہیں اور صحت کے طبعی اور عقلی طور پر ترک کو انحراف، ذلت اور گمراہی قرار دیتے ہیں، بقول آپ کے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کی اور سدودہ جہاد سے بچے، اور وہ آپ قرآن کے اسلوب سے انحراف کرتے ہوئے اتباع نبی کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارے نزدیک گویا وہ ایسے احمق اور بہانے والے جو بدین کتاب و سنت سے دلیل بیان کیے انہوں کے لیے اشیاء کو حلال یا حرام قرار دیتے رہے، جب کہ یہ اگر کرام و اطفال اور اشہاک فی النبی سے اور انحراف صحت میں اجتنام کے جس مقام پر ممکن ہیں، وہ مقام اس کے بارے میں ناساز و ناجوں کے تراشے ہوئے خاکوں اور ان کے منہج سے نگر سے بہت جلد ہے، وہ اپنے بعد اموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وہی اس طرح پہنچاتے تھے جیسے سوزانِ امام کی گھیسرات جنگلی مفلوں تک من و مان پہنچاتے ہیں۔ اگر آپ ہیں انہیں کہ میں اپنے دین کے احکام کو دلیل سے سمجھتا چاہتا ہوں اور یہ ہم خطا کیسے کا حلیہ بیان کرتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ اس اعداد سے صحیح سمجھ میں آتا ہے جیسے اس کو امام شافعی نے بیان کیا، اس لیے اگر میں مذہب شافعی کے مطابق اس علم پر عمل کروں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی کی طرف منتقل ہونا بھی حرام ہوتا ہے۔

۱- اول یہ کہ وہ کسی امام کی تقلید میں وہ کر نہ گی گمراہ نہ چاہتا ہے اور اگر اہل بیت سے کسی ایک کو وہ تقلید کے لیے چھین کر کے ان کے بیان کردہ فقہی احکام بدل سے عمل کرتا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور تقلید غیر احمد کے لیے محفوظ قرین طریقہ ہے اور یہ موضوع احکام واضح ہے کہ اس پر حرج نہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۲- دوم یہ کہ وہ آسمانوں کے افلاک میں ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اور تیسرا دوسرے کو چھوڑ کر تیسرا اختیار کرتا ہے تو یہ دین کے ساتھ استیلا کے مترادف ہے، اور یہ ہرگز چاہو نہیں، اس پر بھی بحث کی گنجائش نہیں۔

۳- سوم یہ کہ بحث اور تحقیق کے بعد اس کا باطلان کسی ایک مذہب کی تقلید پر مضمون ہے اور وہ تحقیق اور دلائل کی روشنی میں ایک مذہب فقہی کو چھوڑ کر دوسرا مسلک فقہی اختیار کرتا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے، اگر بحث و تحقیق کرنے والا شخص اس مقام کی اہلیت نہ رکھتا ہے، یعنی اگر وہ جو محمد ہیں کے بیان کردہ دلائل کو سمجھنے کے بعد اخصاص اور یا امتدادی سے ان اول میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، بلکہ طبعی وجہ ابھیرت ایسی تحقیق تو افق اسلامی کے مفاخر اور علماء اسلام کی اہم و اشرافی شان کے شایانِ بہت ہے، اور نہ تو عقلی و فطری ہے اور نہ ہی طبعی و معنوی صلاحیت سے کام لینے تو علماء کا شعار ہے، اور ہمارے مفاخر عربی علماء نے حقد میں کے طرز پر اس تحقیق اور بحث میں عمریں گزار دی ہیں جیسے امام نووی اور صلاح احمدی رحمہما سلام، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حجر، ابن کثیر، اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ قابلِ مدح ہیں سے بھی کرتے چلے آئے ہیں اور اس قسم کی مثالوں سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں مذہب تک مثال کے طور پر علامہ ابو الکوثری جن کو بعض ناواقف حضرات حسبِ فتنی گرواتے ہیں، عقائد کوثری میں وقت کے مسئلہ میں ایک طویل مطلق بحث کی ہے جس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ترک کر دیا ہے کہ وقت کا اس وقت کا نام اور سبب قرار دیا جائے جب ہم حاکم اس کے ساتھ لاحق ہو جائے اس لیے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے اور امام کوثری اس مسئلہ میں مجاہد کے قول کو اختیار کرتے ہیں، جو صحیح اور صحت اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور اسی پر مجاہد مستکا کا اتفاق ہے، علامہ کوثری کی تحقیق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مسائل میں اپنے اجتہاد سے دلیل کے استحکام کے بجائے اپنے کلام فقہی اور خاص فریغ کا قول اختیار کیا اور اس قول کی دلیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں فرمائی، لیکن بعد

میں تحقیق سے جب مضبوط دلیل دین کے قول کے خلاف مل گئی تو اب امام صاحب کے اس قول کو جو کسی کی ایجاد میں اختیار کرنا، امام ابو حنیفہ کی اپنی رائے اور اجتہاد قرار دینا صحیح نہ ہوگا، اور مستوح اور محتاج کی قطعی وجہ دلیل سے واضح ہو جائے تو ان سے اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے کہیں کہ اجتہاد کا اعتبار غیر مخصوص میں ہوتا ہے، جہاں نفس صریح آجائے تو اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اس قسم کا کام ان مسائل کے بارے میں بھی پایا جاتا ہے جو علامہ مکتبہ نے اپنی کتاب "الفتاویٰ النورانیہ فی الفصولات" میں دیکھ دیا۔
 اُمی شیبہ علی اُمی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوہ میں تحریر کیا ہے، یہی طریقہ علامہ ظہیر احمد عینی رحمہ اللہ نے اپنی عظیم الشان کتاب "مدارج السنن" میں اختیار کیا ہے، کہ مذہب حق کے مقرر اور ثابت شدہ قول کوئی مقامات پر ترک کر دیا ہے جب کہ ان کی اس کتاب اور ان کے عام اسلوب سے بھی یہ حقیقت باہر ملے کہ ہر اور واضح ہے کہ امام صاحب جتنے پر پوری قوت اور مصائب کے ساتھ عمل ہوا ہیں، یہ قانون ملا، کہ ان کو کتنا جبر و اکال کو بھی طرح بھٹنے کے بعد، ان کی قوت استعمال کا صحیح انداز دکانے کے بعد بعض دلائل کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے اور نہ اپنی تحقیق اور بحث میں انصاف سے کام لیتا جانتے ہیں، جب کہ اس کا نقل ایک گروہ سلف صالحین کی طرف اپنی نسبت کرنے کے بعد ان کی تحقیقات پر بے غیاء اعتراضات کر کے ان کے دوا کر بھروسہ کرنے میں مشغول ہے تو یہ تحقیق نہیں، بلکہ حقیقت سے غلام اور بیک بنی اور ذراغ و بیدال کی صورت پیدا کر کے، بجائے اصلاح کے امت میں اختیار پھیلانے کا سب سے بڑا ایسا غلام کی بات کو ہم تعقل انتقاد نہیں سمجھتے اور اس کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کے لوگوں کی تائید ہم ہرگز نہ کریں گے چاہے کتنے ہی اچھے القاب و انتساب کے پردوں میں خود کو چھپائیں، ہم ان کو بھی سمجھیں گے کہ کسی ایک مسئلہ میں مذہب حق سے شافعی کی طرف مائل ہونا دوسرے مسئلہ میں مالکی لفظ اور تیسرے مسئلہ میں فاضل کی طرف مائل ہونا اور چوتھے مسئلہ میں بے سلسلہ اعتقاد پھر اہل کی طرف یا پھر ان چاروں کے علاوہ کسی ایسے مسلک کی

طرف لے جائے گا جس کے آثار ملت چکے ہوں اور اس کا کلی طور پر کوئی وجود باقی نہ رہا ہو اور خدا اب کے ساتھ ان کے اس کھلم کھلا اور بدعتیہ اور بدعتیہ حضرت مرثیہ عبدالحق بن عبد القادری نے جو اس مسئلہ کے پہلے مجدد ہیں، صدیوں کی آخر اس طرح نہ کر چکے ہیں، جس کو داری نے اپنی سنن (۹۱۱) میں نقل کیا ہے۔ جو اپنے دین کو غصہ و حسرت اور جدال کا وسیع بنائے اس کا اعتقاد ایک موقف سے دوسرے تک ہوتا رہتا ہے۔

امام داری نے اپنی سنن میں یہ قول کیا ہے: جن کا مذہب ایمان اور خصوصاً اس دین کو خصوصیت اور جدال کا میدان بنانا ہوگا تو کفر سے ایک موقف سے دوسرے کو اختیار کرتا رہے گا، اور یہ سلسلہ مذہب اور حرکت محدود رہے گا، بلکہ ان کی کوشش ہوگی کہ وہ چالیس مذہب بھی ہوں تو ان کے دائرے سے بھی ایک دن لپٹنے کی سعی کریں گے اور حضرت مرثیہ عبدالحق کے اس کام جیسا اعلیٰ امام مالک رحمہ اللہ سے ابن عبدالحق باہکی نے "الافتادہ" (ص ۳۳) میں نقل کیا ہے، انھوں نے اپنی سنن کو امام مالک کے ایک شاگرد صفی بن یسئل تک پہنچانے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صفی بن یسئل فرماتے ہیں کہ ایک دن امام مالک میرے ہاتھوں کا سہارا بنے، میرے لئے تو ان کو راستے میں ایک شخص ملا جو ایسا خوبصورت تھا کہ میری طرف سے جھٹکنا کلام امتداد کلام وہم بالا جاد۔ امام مالک سے کہنے لگے اے اے بھائی اے اے آپ سے کہہ کرنا چاہتا ہوں اس کو سن لیں، میں آپ سے بحث کروں گا اور اپنی رائے پیش کروں گا امام مالک نے فرمایا کہ اگر قرآن غالب ہو تو تو کہہ دو کہ آپ کو میری ایجاد کرنی ہوگی، امام مالک نے کہا کہ اگر میں غالب آ گیا تو تو کہہ دو کہ میں آپ کی ایجاد کروں گا امام مالک نے کہا کہ اگر میں حق میں کوئی حیرت آ جاؤں تو میں غالب آ گیا تو تو کہہ دو کہ میں آپ کی ایجاد کریں گے امام مالک نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیدہ سے کہہ دیا جائے گا میں دیکھتا ہوں کہ تم تو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے موقف کی طرف منتقل ہوتے چلے جا رہے ہو، یہاں بات ہوئی جو حضرت مرثیہ عبدالحق نے فرمائی کہ جو دین کو بحث و تکرار کا نشانہ بنائے وہ منتقل ہی ہوتا رہے گا یعنی

اس کو کسی ایک مہلک پر لڑنا اور باقی مقدمہ بنالغصب نہ ہوگا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس گفتگو کی ابتداء سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ یہ گفتگو عداوت کے مسائل سے تعلق رکھتی ہے، لہذا عدالت فقہ سے اس کا تعلق نہیں اس لیے کہ جس شخص سے بات ہو رہی ہے وہ میرے فرض سے تعلق رکھتا ہے۔ میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ جتنی باتیں ممکن ہیں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر وہ جو ان خلیفہ جس کی خاطر میں نے یہ بحث نہیں ہے فروقی فقہی مسائل پر طبع آزمائی کرنے کے لئے عداوت کے مسائل میں بھی کوڑتا ہے، لہذا وہ جب چاہے عداوت کے مسائل میں ایسے ہی لاپرواہی اور بے باکی سے بحث کرنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فروقی فقہی مسائل میں غالباً اڑنا ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ انضباط اور انکرام کا اہتمام کریں اور اپنی حد سے تجاوز نہ کریں، جبکہ یہ اسلوب انتہائی خطرناک اور حساس ہے اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم کسی آدمی کو کوئی برائی کرتے دیکھو تو جان لو کہ اس آدمی کوئی برائیوں کا وہ مرتکب رہتا ہے اسی طرح کسی کو بہتری اور نیکی دینی کرتے دیکھو اس کے عمل حدیث اور بھی ضرور اس میں پائے جاتے ہیں۔^(۱)

جو شخص کسی کی اطلاع کی راہ سے مت کرانی میں گمراہ دیکھ کر اس کی اطلاع کرنے کا وہ چاہتا ہے اس قول اختیار کرے گا جس کو کسی نے بھی عمل کے لیے اختیار نہ کیا ہوگا، اور اس کو اس کا پتہ بھی نہ چلے گا؛ بلکہ وہ خود کو سنت کی طرف دعوت دینے والا اور سنت کے ناصر ہونے کا دعوہ کرے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ خواری نے اسی خطرو سے ان کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی بات میں ان لوگوں سے حدیث اور احادیث کی راہ مستحاجت ہو، کیوں کر کہ ایسے ہی تم ہر اس شخص کی اطلاع کریں جو بد اعمال میں دوسرے سے سنت کرنے والا ہو اس بات کا خطرہ ہے کہ ہم اس چیز کو کسی ایک دن ذکر کریں، جس کو ہر گز خلیفہ علیہ السلام نے نہ فرماتے ہیں، جب کو تمہارا یہ دعویٰ کہ تم کا یہ حدیث کی بیان کی ہوئی دیکھو میں نہیں مانتی، یہ بھی دعویٰ ہے، جس

کا حال بھی گزر چکا ہے، کہ ان کو کج حدیث مل گئی اور وہ مثلاً وہب بن خالد کے خلاف فتویٰ تو انہوں نے مخصوص طریقہ کو چھوڑ کر وہ راہ اختیار کی جو اس سے زیادہ قوی دیکھ اور روایت پر استوار تھی، اور انہوں نے عین حین سے دعویٰ ہو جنہوں نے فرمایا کہ فقہاء کے آگے تسلیم کر کے ملے ہی، یہی کی سنا جاتی ہے۔^(۲)

جاری کو لکھ کر لکھا جاتا ہے اس امر میں شک و شبہ نہیں، کہ عین اور ان وہب کے الفاظ اس پر تعلق ہیں کہ ان فقہاء کی طرف رجوع کیے بغیر انسانی کا دین خطرے میں رہتا ہے، محدثین چونکہ فقہاء کی قدر و قیمت جانتے تھے اس لیے اپنے خلاف وہ کو اس طرح متوجہ کرتے تھے اور انہیں اس کی اہمیت بتاتا کہ ان میں شرکت کی ترقیب دیتے رہتے تھے۔

ابن ابی شیبہ سے ان کا مہاجر نے "الافاقہ" (۳۳۳) میں امام محدث علی بن عبدی عرف اس قول کو مشتبہ کیا ہے کہ ہم محدث امام زبیر بن عواذیہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آواز بھر لے اس سے کہ جہاں تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ امام ابو حنیفہ کی مجلس سے آ رہا ہوں، تو امام زبیر نے فرمایا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس سے ایک دن کا چانا تمہارے لیے میرے پاس بھیجے میرا نے سے زیادہ مفید ہے، اور زبیر بن عواذیہ یہ شخصیت ہیں جن کو حافظہ دینی نے ان کا کمالیہ قرار دیا ہے، اور اس کے بارے میں شیعہ بنی عرب کا قول نقل کیا کہ: زبیر میرے نزدیک شیعہ جیسے قس محدثین سے زیادہ حافظہ حدیث ہیں، جب کہ شیعہ کو امام احمد بن حنبل کی حدیث میں امامت شریک نہیں تھی اس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور انہیں امیر المؤمنین بنی امیہ نے بھی کہا گیا ہے۔

"تذریع تاریخ ابن مساکر" (۳۶۸) میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: محدث بنی کی ایک جماعت اور عاصم بن حنبل انصاری بن حنبل کی خدمت میں حاضری ہوتی تو انہوں نے فرمایا کہ تم فقہ حاصل نہیں کرتے؟ کیا تمہارے درمیان کوئی فقیہ نہیں؟ اور انہیں ڈانٹنے لگے، اس پر محدثین کی جماعت نے کہا کہ ایک شخص

ہمارے اندر غصہ ہے، کہا کون ہے؟ عرض کیا کیا: ابھی آتے ہیں، اسے میں میرے والد (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے لکھ کر دیا، لوگوں نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو عاصم نے ان کی طرف بلا دیا تھا کہ دیکھا اور ان سے کہا کہ: آگے آ جا، عرض کیا کہ میں لوگوں کی گرد میں پھانکنا چاہتا تھا کہ عاصم نے ان کے حق میں کئے گئے یہاں کے فتنے سے ان کا نفرت ہے، پھر فرمایا کہ ان کے لیے جگہ بنا دو، لوگوں نے عرض دہر نکم کر ان کے لیے جگہ بنائی اور ان کو جو عاصم کے سامنے بٹھایا، اور عاصم نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا پھر دہر اور غیر اس مسئلہ پر بات کیا تا کہ جواب دیا پھر دیگر کی مسائل پر بھی ان کا جواب دیا تو ابو عاصم ان کے جوابات سے بہت خوش ہوئے۔

آپ نے دیکھا محدث ابو عاصم کی اپنے مجلس کے شرکا کو سنت کی بھجور اور بھوک کی طرف ترغیب دینا اور توجہ کرنا اور اس وصف بھوک کے حامل کے ساتھ ان کے اکرام کا معاملہ "الحمد لله" اصل " (ص ۳۳۸) میں ابو عاصم کا یہ قول منقول ہے۔ حدیث میں ہمارے دوسرے راوی (انجیر روایت یعنی ہدایت اللہ کے منقول یعنی بخاری اور گروہ ہے۔

امام بخاری کی "مادہ": (ج ۲ ص ۳۹۸) میں لکھا ہے کہ حدیث میں نے فرمایا ہے: محدث انجیر روایت کے لیے نہ دیکھا تھا کہ وہ جو طریقت تھی، اس کی دکان میں دوا لگی تھی، لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہ کسی مرض کا علاج ہیں اور انجیر حدیث کے فقہ کی مثال ایسے طبیب کی ہے جس کو یہ علم تھا کہ وہ اس مرض کی دوا لگائے ہے لیکن اس کے پاس دوا لگی تھی تو علاج کیسے کریں؟

یہاں تک کہ اسباب حدیث سے متعلق اختلاف فقہاء میں سے ایک سبب کا بیان مضمون ہوا، اب ہم دوسرے سبب کو بیان کرتے ہیں۔

دوسرا سبب فہم حدیث کے اختلاف کے بیان میں

فقہاء کا فہم حدیث میں اختلاف، دوا میں ہے سبب سے دوسرے آتا ہے:

۱- حدیث میں غور کرنے والوں کے عداک اور عقلی ملا جلیوں کا عقائد۔

۲- فقہ حدیث میں ایک سے زیادہ عقلی مسائل۔

پہلی بات حدیث کی تفسیر کرنے والوں کے طوائف اور مزاج کا اختلاف ہے اس میں کسی عقائد کے لیے فکر کی گنجائش نہیں، کیوں کہ انہوں کی عقلیں ایک جیسے ہی نہیں ہوتیں، بلکہ ہر شخص کی قوت، فائدہ دوسرے سے مختلف اور عقائد ہوتی ہے، اسی طرح معلومات میں اور جن چیزوں کو دیکھا سمجھا جاتا ہے اس میں ہر شخص کا تجربہ اور سوچ مختلف ہوتی ہے، یہ عقائد بھی عقلی اور فطری ہوتی ہے اور انہی سبب اور اختلاف کے اختلاف سے دوا جھوٹوں میں فرق ہوتا ہے۔

تفاوت اجتہاد کی بنیادوں اور سطوح کے اعتبار سے اور انہی مسائل کے اختلاف اور ان کے منقول کی وضاحت سے صاف کیا جاتا ہے، اختلاف دیگران کے دماغوں کو جو چیزیں یاد کرتی ہیں اور انہیں جس عمل کو دیکھ کر گزرتے اور اپنی صحیفہ کے لیے اختیار کرتا ہے مثلاً کوئی فقہاء کے عہد سے پہلے کہ وہ عقائد اور عقائد کی کثرت سے اس کو لوگوں کے اعمال ان کے عقائد اور طرح طرح کی پانچاویں کا تجربہ حاصل ہوتا، انہی مسائل کا لیکن دین کے معاملات میں لوگوں کے عقائد و اطوار کے معرکات جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ

علیہ سے دریافت کیا گیا (مطبوعہ دینی مجسم صفحہ ۹-۱۰) کہ میں اس انسانی عقل کے بارے میں بتائیے جس کو لے کر انسان اس دنیا میں آتا ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: میں، وہ لوگوں کی صحبت اور مجالس سے انکسارت ہے اور لوگوں سے بحث و مباحثہ سے اپنی عقلی صلاحیت کو روشن چیز اور بھل کرنا ہے۔ جو بھی یوں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس صلاحیت کے پھلانے کے تمام اسباب مہیا کر دیتے ہیں، تو وہ باطل اور عقل کو اس کی فطرت اور خارج کار محسوس نہ ہوتا ہے۔ ایسا کہ لوں میں مل کرنا شعر۔

فَالْعَقْلُ قَلْبِي، بَعْلُكَ لَكَ فَطَنٌ، بَعْلِي كَمَا لِي قَدَرٌ، رَأَيْتُ وَفَدَ سَعْدًا طَائِفًا وَهَيْسًا ۱۳۸
ذکر اور بیخیز ذہن کا مالک ہونا ہے جن عقل اور طویل سے تم کو کوئی بات کہے، دو بچوں واقعہ کے مطابق لگتی ہے کہ باور اس حقیقت کو دیکھ لو کہ میں، اپنے دماغی اشیاء میں امری کی بات ہے:

الْعَقْلُ بَرِيٌّ مَأْزُولٌ رَأَيْتُ، أَجْزَا الْأَمْرِ مِنْ وَرْدِ الْمَغِيبِ
ہوشیار اور دور بین آدمی عقل کی مانند جو کسی کے بارے میں غائب کرنا ہے وہ پردہ ہونے پر حرف آ کر خاک اور اچھا اختیار کر لیتی ہے۔ (المصنوع لابی احمد العسكري، ص ۱۶۲)

لیکن اہانت اور فطانت کے ہوتے ہوئے اگر خارجی سبب بھی اللہ تعالیٰ ان کے لیے مہیا کر دے تو ان کی قوت فہم و لگاؤ اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی مثالیں قدم بہ قدم دونوں زمانوں میں کثرت سے ملتا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام اور اس امت کے تمام اعلام کو ہدایت و استقامت کی صلاحیتوں اور اسباب کسب کی فراہمی سے پروردگار میں قرارا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب کی عقلی استعداد مساوی اور ایک ہی معیار کی ہو، بلکہ اس میں تعلیم و فطانت پایا جاتا ہے، اور اس فطانت کے سبب اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور ایک دوسرے پر غفلت و قوت انہماک و تعلیم اسلام میں بھی ہے کہ اقالہ اللہ تعالیٰ (وَاللَّيْلُ كَفَّ حُزْنُكَ فَطَنًا) ۱۳۹ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے "المرسلۃ" کے اوائل میں سخن کے بارے میں علماء کے فہم کا تقاضا بیان کیا ہے اور جو ہم نے لکھا ہے اس کی توثیق و تخریج کا سامان مہیا کیا ہے لہذا "مرسلۃ" میں جو حدیث مذکور ہے، جتنا انہوں نے متواتر کو پرکھا ہے محفوظ کیا، اس میں ان کے

درجات مختلف اور تفاوت ہیں، اس موضوع پر میں چند مثالوں اور حواشی سے روشنی افیل گا۔ ایک دن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہماک کے پاس حاضر تھے، جو تین ہیں اور قرآن اور حدیث میں مشہور امام ہیں، امام ابو حنیفہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اس فلاں اور فلاں مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اس میں ایسا اور ایسا کہتا ہوں امام انہماک نے کہا کہ اس کی دلیل کہاں سے ملی؟ ابو حنیفہ نے ارشاد فرمایا کہ آپ نے ہم سے ابو صالح کی سند سے ابو ہریرہ اور ابو داؤد سے انہوں نے عبد اللہ بن مسعود اور ابو یاس سے اور انہوں نے ابو مسعود انصاری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دل علی حشر کما لا علی حشر علیہ، جو کسی لیے کہ کام کسی کو بتائے تو بتائے والے کو اس پر عمل کرنے والے جیسا اجر ملے گا اور آپ نے ابو صالح کی روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنائی ہے کہ حضور ﷺ سے کسی آدمی نے دریافت کیا کہ میں اپنے گھر میں لڑائی ہوتا ہوں، ایک آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے کہ یہ بات مجھے بھی لگتی ہے، یعنی کہ داخل ہونے والا جب مجھے اس حالت مبارک میں پایا ہے تو میرے دل کو یہ بات الجھن لگتی ہے، صحابی کو طرحی گھبراہٹ ہو گئی کہ میں تو اہل حق ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے دو ثواب ہیں: ایک ثواب صیغہ کرنا ہے، دوسرا ثواب اس عمل کے دوسروں پر ظاہر ہونا ہے کا اور آپ نے ہم سے روایت کی اور انہوں نے ان کے ہاتھ سے اور وہ حضرت خدیجہ سے روایت کرتے ہیں جو حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اور آپ نے ہم سے روایت کیا ان کی ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سرفراہ یعنی بدلتی بدلتی اور اس مسئلہ حضور ﷺ سے روایت کی۔ اور پھر آپ نے ہم سے روایت بیان کی ابو ہریرہ سے، جو چاہے رضی اللہ عنہ حشر سرفراہ روایت کرتے ہیں، جو ہرگز نہ لگتی ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سرفراہ روایت کرتے ہیں۔ امام انہماک پکارے کھانے کے حیرے لیے، ان دنوں روایات کو کس نے سوچا میں تم سے بیان کیا، دو حق میں چند لوگوں میں بیان کر دیں، میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان اسرار کے مطابق عمل کر رہے ہو یا نہ ہو، اجماع فقہاء ائمہ، ابو (طریقہ ہو) اور ہم تو وہ

گزرے ہیں) کے حالات میں محمد بن سنان سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابھی بن ابی ہار سے ساتھ نماز پڑھتے تھے، یعنی اس مسجد میں جس میں امام محمد بن حسن شیبانی نماز پڑھتے تھے، اور وہیں ان کی قریبی مجلس منعقد ہوتی تھی، پھر میں ان کو امام محمد کی مجلس میں شرکت کی دعوت دیتا تو ابھی بن ابی ہار کہتے: یہ لوگ حدیث کی حفاظت کرتے ہیں، اور میں بن ابی ہار حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے، ایک دن انہوں نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور اس دن مجلس فقہ کی پوری تھی جس میں اسے الگ دواور یہاں تک وہ مجلس میں شریک ہو گئے، جب امام محمد فارغ ہوئے تو ان کے قریب جایا کریں نے ان سے عرض کیا کہ یہ آپ کے بھتیجے ابان بن صدق کا چچ ہیں، ان کو حدیث کی معرفت حاصل ہے، اور یہ بڑی ذہانت کے مالک ہیں، اور آپ میں ان کو آپ کی مجلس کی دعوت دیتا ہوں تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حدیث کی حفاظت کرتے ہیں۔

امام محمد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اسے میرے بیٹے! ہمارے اہل حدیث کا جو حق ملے دیکھی کہ حدیث سے حفاظت کا اہتمام کیا؟ ہمارے خلاف کسی گواہی اس وقت تک نہ دیا جب تک خود ہم سے من دونوں، اس دن ابھی بن ابی ہار نے حدیث کے ۳۵ بابوں کے بارے میں ان سے سوالات کیے، اور امام محمد ان کو جواب دیتے رہے اور وہ ان کا حدیث جو منسوب تھیں ان کی نشان دہی فرماتے رہے، اور اس پر وہ ان کی اور خواہش بیان کرتے رہے، جب ہم غلط تو ابھی بن ابی ہار نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: میرے دو مہمان اور خود کے دو مہمان ایک پردہ قاضی و مہمان سے انھوں نے کہا: میں انھیں بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انھیں قاضی کی بادشاہی اور ملک میں ایسا مجلس بھی ہو سکتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ لوگوں پر نماز فرمائیں گے، اور پھر تو امام محمد کی مجلس اپنے لوگوں کو لازم کر لی اور ان سے نقد حاصل کی، پانچ اہل ان کا شمار تھا، میں ہوں لگا، اور ان تمام روایات سے جس بات پر اختلاف اور استہلال کیا گیا ہے وہ ان کا واضح ہے کہ اس کے بیان کی حیثیت نہیں، البتہ آخری قصہ میں اختلاف کے ایک اور سبب کی بھی دلیل پائی جاتی ہے جو آ کے جان کر بیان ہوگی یعنی حدیث کے بارے میں

وحدیث مطبوعات کے ذرائع سے بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

اب امام محمد کا بیان ہوگا جس میں حدیث کے ہمہ کی وجہ سے ائمہ کے دو مہمان اختلاف کے سبب پر دیشی ذاتی تھی ہے، اختلاف حدیث میں کئی اختلاف معانی کا احتمال ہوتا ہے، حدیث کے فہم کے سبب اختلاف واقع ہوا ہے، اور اس کا مشابہ بھی کیا گیا ہے، اپنے مختلف مذاہم میں اختلاف واقع ہوا ہے، گنگ ہونے کا دوسرا معنی بدل کرنا ہے۔

- ۱- یہ مضموم حدیث سے لیا گیا ہے، وہ عربی قواعد کے مطابق ہو اور اس کے خلاف نہ ہو۔
- ۲- اس معنی کے اختیار کرنے میں کسی تلفظ یا تصحف سے کام نہ لیا جائے، تصحف فی القول کے معنی ہیں یہ راہ روی کرنا، ایسے معنی لینا جس پر روایات واضح نہ ہو، تصحف الاسماء کے معنی لغت میں سے سچے کلمے کی جگہ کو اختیار کرنا تصحف من الطرق کے معنی اس سے ہٹ جانا، اور تلفظ الاسماء خلاف حاجت و ضرورت اور مشکل کام کو برداشت کرنا۔
- ۳- وہ معنی لیا ہو جس کا دوسرے احکام سے ٹکراؤ نہ ہو اور دوسرے قعود میں ثابت اور مسلم ہیں۔

میں (مؤلف) ان شرطوں کو حرج و مضامت سے بیان کروں گا اور جن اختلاف کے سبب اختلاف کی ہم بحث کر رہے ہیں ان کی تعلیم طبعی حیثیت ایسی نہیں کہ وہ کسی وقت بھی ان ملاحظات سے قائل رہے ہوں یہ وضاحت ان کے لیے نہیں بلکہ ان ناچاروں جنوں کے لیے اختلاف ایسی وجہ ثابت بیان کرتا ہے، جو اسباب اختلاف سے ناواقف ہیں۔

اور امام مالک کے شاگردان بیان یہ بات ہے کہ کس کے احتمال کا حامل معلوم کرنا ان کے نزدیک اس معنی سے بہت اہم ہے کہ وہ ان قرآن کی بحث پر توجہ دیں، جس کے سبب وہ معانی مختلف ہیں، سے ایک کو دوسرے معنی پر ترجیح حاصل ہو۔

اور اس حالت کی مثال کی ساتھ وضاحت میں کوئی حرج نہیں کہ حامل احتمال جس کی اہمیت معنی سے بڑھ کر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ "الحدیث اہل ان والحدیث مالم یصرھا" علماء نے اس حدیث میں لفظی کے معنی میں اختلاف کیا ہے کہ آیا

نور الحق دیکھ کر مثال اس قصہ میں ہے جو ان مہاجرین نے "الاقتصاد" مئی ۱۹۳۹ء میں اور "الحدود" مئی ۱۹۴۰ء میں لکھی ہے، ساتھ وہین مہاجرین نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کے لیے مثالیں پیش کرتے تھے، اور پھر اپنے علم سے ان کو رد کر دیتے تھے۔ دلائل یہ مثالیں سفیان بن عیینہ کا ابتدائی زمانے میں تھا، بعد میں ان کی دامن امام ابوحنیفہ کے ہاتھ میں بہت بکھر ہوئی اور اس کی دلیل (صورہ) فقہاء جلد ۹ صفحہ ۲۶۹ میں بشر بن الولید کہتی ہے۔ جو امام ابوحنیفہ کے حلقہ میں سے ہیں۔ کے قول سے ملتی ہے، بشر کہتے ہیں کہ ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، جب کہ فی حلقہ منہا آقا در یافت کرتے کہ کیا یہاں ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو انہیں جواب دیا کہ ہاں، بشر موجود ہیں، تو فرماتے کہ اس مسئلہ کا جواب وہ میں اس کا جواب دیتا جس کو میں کر رہا اور شاہ فرماتے فقہاء کی بات تسلیم کرنے میں ہی دین کی سلاحتی ہے۔

فرض جو واقعہ آگے آیا ہے وہ ابتداء کا ہے، ان عیینہ نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حدیث بیان کی "اباہان، اباہار، اباہار، اباہار" تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے ہاتھ لگے کہ اگر داغ اور شہرت کی کمی تھی تو ضرور ہے ہوں تو تفریق بلا وہاں کہیے داغ ہوگا تو سفیان پر بیان ہو کر کہنے لگے کہ کیا اس سے بھی زیادہ شریک بات کسی قسم نے سنی ہے؟ تو امام ابوحنیفہ کا یہ جواب اچھا ہی مسکت ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر تفریق سے مراد تفریق بلا وہاں کیا جائے تو ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جس میں آدمی اجسام و ابدان کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتے اور وہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ دونوں کسی درجہ کے چمک چمک کی چوٹی تک میں سفر کر رہے ہوں تو ایک دوسرے سے جدا ہی ہو دوری کی کیا صورت ہوگی؟ لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب تک کشتی میں وہ بیٹھے ہیں مجلس وحدہ قائم رہے، اور یہ تو کئی دن تک بھی ممکن ہے، جب یہ مثال سفیان بن عیینہ کی مجلس میں دلائل کے خلاف بیان نے یہ خیال کیا کہ ابوحنیفہ حدیث کا تالہ چھل سے گر رہے ہیں وہ جب کہ

ایسا ہرگز نہیں، اور یہ مثال جس طرح اس قصہ کی ہو سکتی جس میں دو معانی حلقہ کا احتمال ہو اس بات کی مثال بھی نہیں نکلتی ہے کہ آخر میں اشکاف کی ایک جہان کی باغی اور عقلی قوتوں کا تبادلات بھی قیام و نظام

ابن مہاجر نے "الاقتصاد" میں صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے کہ

"مجلس میں مولیٰ مسجد کی جہان نظام حدیث میں تھا، ہوتے ہیں جنہوں نے امام

ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو پکارا، ان سے سوال کیا گیا کہ تم میں لوگوں کے ہاتھ میں کیا

خیال کرتے اور امام ابوحنیفہ نے اعتراضات کرتے ہیں تو جواب میں دیکھا کہ امام

صاحب ان کے سامنے اپنے مسائل ذکر کرتے تھے ان کو وہ سمجھتے تھے، پھر ایسے دینی علمی

مسائل بھی بیان کرتے تھے جن کے علم سے باخبر ہوتے تھے، اور ان کی مجلس حدیث

تھے وہ ان کے لیے علم سے بکاہی دیکھتے تو ان میں سے حدیث کرتے تھے۔

آخر کا حدیث کے علم میں اختلاف پر حیرت چاکلیں دے کر موعود کو طول دینے کے

بجائے میں ایک انتہائی اہم بات کا کہیں کے علم میں لانا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ نظام فرمودہ

جو کتاب وحدت سے مستعد کیے گئے، یہ دین کے اجزاء ہیں، وہ دین اسلام جو قرآن وحدت

کی طرف منسوب ہے اور کتاب وحدت سے تعلق اور بخوبی ہرگز نہیں، تو جیسا کہ اسلام کے

لیے قرآن وحدت دونوں بنیادی مصادر ہیں اور مآخذ کی حقیقت مسلمہ طور پر سمجھتے ہیں ہادی

طرح جو قسمی مسائل کتاب وحدت سے ملائے مجتہد ہیں اور فقہاء نے مسجد کیے وہ بھی وہی

قرآن وحدت کے تعلق میں سے ہیں، انہیں لوگوں سے الگ سمجھنا ہرگز چاہی نہیں۔

امام کاظمی رحمہ اللہ نے "الاقان" (جلد ۲۳-۲۴-۲۵) میں فرمایا کہ ۶۵ میں احول

بند حدیث من القرآن میں فرمایا

"امام کاظمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو حکامات تھیں، وہ حدیث کا شریک ہے اور

حدیث ساری کی ساری قرآن کی شریک ہے، لہذا یہ بھی اور شاہ فرمایا کہ دین کے ہاتھ میں یہ

بھی مسئلہ کی کوئی آئے، اس کا حل اور دلیل حدیث کی کتاب میں ماضیاتی اور چاہت کے

طرح پر مذکور ہے اور یہ بات مسلم اور مسلم ہے کہ ہدایت کی راہ کے حق میں اور معلوم کرنے کا
استیلا کے سوا اور کوئی راستہ نہیں، تو جو استیلا کا نام لیں جو مساکین اس عظیم مصدر سے
ٹالے جائیں گے، وہ محدث مدینہ قرآن ہی کے ساتھ تابع تھے کہ جی کے، بشرطیکہ
استیلا کا صحیح اور صحیح طور پر ہو۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے "مواقیف" (۳-۱۰۰) میں اس مسئلہ کو مثال کے ذریعہ
داخل فرمایا ہے، مندرجہ میں جو تحریر بھی اختیار کی گئی ہے وہی قرآن کی مراد ہے، گوئی کہ قرآن
کے احکام کے معانی و مطالب کے لیے مندرجہ اصول شرع و فقہ کے ہے اور اس کی دلیل
قرآن کریم کی ہے، "فَلْيَتَنَزَّلِ الْإِنشَاءُ" تا "وَلْيُؤْمَرْ بِهِ الْبَنُونَ" جو یہ کہ ان کی طرف اشارہ کیا
گیا ہے، آپ ہی اس کو بیان فرمائیں گے، جب قرآن کی آیت "فَلْيَتَنَزَّلِ الْإِنشَاءُ" و "وَلْيُؤْمَرْ
بِهِ الْبَنُونَ" کہ چند مراد اور مراد کے ہاتھ کا تذکرہ اور حدیث میں آگیا کہ ہاتھ
بھائی سے کاٹ جائے گا، اور نصاب چوٹی کا جو حدیث میں بیان ہوا، اسی مقدار کے ثبوت
کے بعد ہی ہاتھ کاٹا جائے گا تو کیا آیت کی مراد ہے، یہ تو کہا جائے گا کہ چنانچہ مندرجہ
ذیل سے اور قرآن سے ثابت نہیں ہوئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فریضہ تھا،
"تَاوَلُوا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ" کی طرح امت کے سامنے پیش کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے؟ مثال کے
طور پر امام بالغہ یا ان کے علاوہ اور کوئی امام یا محدث، یا مفسرین میں سے کوئی مفسر ہمارے
سامنے کسی آیت کا یا حدیث کا معنی بیان کرے اور ہم اس کے صحیح پر عمل کر لیں تو یہ کیا
دوست نہ ہوگا کہ ہم نے اس مفسر کے قول پر عمل کیا؟ بلکہ ہمیں یوں کہنا چاہیے کہ ہم نے اس
دور رسول کے کہنے پر عمل کیا۔

فقہائے مصر کے سر مشی "شیخ محمد حنفی" نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا، جس کا
نام ہے "أحسن الكلام فيما يتعلق بالسنة والحدیة من الأحکام" اس میں لایچہ
میں (۲۳) فرماتے ہیں:

"اور بعد شروع لیکن قرآن و سنت و اجماع اور قیاس سے ٹالے ہوئے تمام احکام،

مردود ہوں یا صحیح طور پر اجتہاد سے ٹالے گئے ہوں تو یہی اللہ کا حکم اور اس کی شریعت ہے اور
یہ طریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جس کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ ہرگز مجتہد کی
راہ جس کا نام مذکور چار مذکورہ احکام میں سے کوئی ایک ہو، وہ اس کے خلاف نہیں اور اس کی
تحمید کرے اس کے حق میں ہی اللہ کی شریعت ہے، اور اس بات پر تصور ہے سے حال اور طور
و فکر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول "الاعتد کرنا ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ کا بخاری
میں محدود کرنا کرتے ہیں وہاں واضح میں سے کتاب العلم (۲-۱۰۰) میں باب ختم کرتے
ہیں "باب من سئل عن العلم علم کے کہنے کے باب میں اور اپنی حد سے حدیث کرتے ہیں اور
تخلیص سے دہراتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ کے
پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں، ہمارے اللہ کی کتاب کے بارہم اور کچھ جو ایک مسلمان کوئی
گئی ہے اور یاد دیکھو جو اس "صحیفہ" میں ہے (یعنی کچھ جود اپنی فکر کے جام میں رکھتے تھے،
جس میں مقدار مذکورہ احکام اور حدیث کے احکام تھے)۔

اور کتاب الامارۃ (ج ۲-۴) میں ابن السمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم سے
مردود ہوا استیلا اور تاویل ہے، اور ماہرین نے جو لے لیج لہاری میں لکھا کہ مردود ہے اور
ہائیں ہیں جو کتاب اللہ پر حدیث کی رو سے یاد دیکھیں مثلاً خود روکات فرماؤ وغیرہ اور ہم
سے مراد کوئی تحریر نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جلد ۲-۲۳۳-۲۳۵) میں
فرماتے ہیں کہ حق امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام
مقام اور ہر ایک کی حقیقت رکھتے ہیں اور اس پر مبنی امور و احکامات کرتے ہیں:

اول: شرعی طور پر یوں کہ حدیث میں آتا ہے "العلماء و رواة الایہ" علماء
انبیاء و کے وارث ہیں۔

دوم: چونکہ احکام کے پہلے میں علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا فریضہ تھا، یہ ہے۔
صوم: چونکہ حق ایک اعتبار سے شارع کی حقیقت بھی رکھتا ہے، کیوں کہ شریعت کے
جو احکام وہ مردود ایک پہنچاتا ہے، تو صاحب شرع سے متعلق ہوگا یا اس بقول سے محدث

ہوگا؟ پہلی قسم میں قرآن و سنن پہ اور دوسری قسم کے احکام میں وہ احکام کی تہذیب اور انکاء میں نبی ﷺ کا قائم مقام اور داعی ہے، اور انکاء کے احکام شارع کا منصب ہے، جب مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق اجتہاد کے احکام کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے تو اس اختیار سے وہ خود شارع کے حکم میں ہے اور اس کی اتباع لازم ہو جاتی ہے، اور اس کے بقول کے مطابق عمل کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے، اور یہی اور حقیقت خلافت ہے، نبی کریم ﷺ کی۔

حاصل حکام یہ کہ مطلق اللہ کے حکم سے اپنے حق خیر خدا ہے، جیسا نبی اور شریعت کو چلانے والا ہے، ایسے ہی احوال سے جو اس نے اپنے اجتہاد سے مستحب کیے ہیں وہی اور خلافت کے دستور کو امت میں نبی کی طرح نافذ کرتا ہے۔ اسی لیے مفتی ابن کرام کو ایک قول میں اولی الامر قرار دیا گیا ہے، اور بحالت اختلاف حضرت محمد اللہ بن مہارک سے اظہار اسے راضی ہو، جنہوں نے اس معنی میں اور اصول سے لوگوں کو آگاہ اور مستحب کیا اور جو اہل اہل بیت علیہ السلام علیہ السلام (۶-۷-۱۶) کہ یہ نہ کوئی مسئلہ نہیں کہ یہاں حضرت محمد اللہ بن مہارک سے ہے بلکہ یہاں کوہک سے حدیث کی تفسیر ہے۔

اسی طرح اس ملبہ میں طرف اہم جو محمد اللہ نے اور نبی اور خلافت کے ساتھ ضرور کیا جیسا کہ علماء شیعہ کی یہود انکسری (۱۶۰) میں ہے۔

ان حزم فرماتے ہیں: جو کوئی مجتہد نہیں کہ اس نے استنباط کیا وہ شریعت کا حصہ ہے، اگرچہ عوام کو اس کی دلیل معلوم نہ ہو اور جس نے اس کا انکار کیا، اس نے دین کو خطا دی طرف منسوب کیا، جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ ایسے احکام کو مشروع قرار دے رہے ہیں، جس کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوا اور ایسا کہتے آکر ہے۔

مولانا غفر اللہ تعالیٰ نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد تفسیر فرمایا (انجام بالواحد ۵۳) کہ یہ ظاہر یہ کہ قول ہے، جو فاسد کوئی اسے، اور مجتہدین کے ساتھ ان کے ادب کے معاملہ پر اور کچھ جہاد کی شریعت کے اہلین ہیں، شاید یہ قول انہوں نے اٹھائی کی تالیف کے بعد کہا ہو "اور اہل حزم کے اس قول" "انہر کہ چھ حکام کو اس کی دلیل معلوم نہ ہو"۔ میں عوام

سے مراد وہ نہیں جو عام طور پر ان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو عوام علم نہ ہو، بلکہ یہاں عوام علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق استعمال کیا گیا ہے، جو عوام اور عامی کے اظہار برائے مجتہد کے لیے استعمال کرتے ہیں، انہیں حزم و مصداق کی مراد یہ ہے کہ انہیں فقہان کی فتویٰ شریعت کا حصہ قرار دیا جاتا ہے، اور اس پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط ہر کوئی نہیں کہ ہم کو اس کی دلیل بھی معلوم ہو، یا اس کی واقفیت ہم کو حاصل ہو، اس لیے کہ بعض اوقات دلائل اسے دلیل ہوتے ہیں کہ ہماری عقل ان کے اندر اس سے عاجز ہوتی ہیں، یا ہم تک دلائل پہنچے ہی نہیں، یا ہم ان پر مطلع نہیں ہو سکتے، واللہ اعلم

فقہاء کی ذات جو اسلام کے آخر مجتہدین مگر سے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ ہیں یا امام شافعی، یا امام مالک، یا امام احمد اور امام ابو حنیفہ، یا امام شافعیان ثوری و غیرہ ان کے بیان کردہ جزا اور انہوں نے مسائل اہم سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حقیقت تفسیر کی ہیں اور یہ اسلام میں دہر سے جس آئین اور نظام ماست نے اپنی عقل سے ان کو گزرا ہے، بلکہ جو مسئلہ گنجانا کیا گیا ہے اس کا نافذ اور مصدر انہیں یعنی کتاب و سنت یا انہوں نے اس میں ہوتا ہے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تھا ابو حنیفہ یا شافعی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہم ابو حنیفہ اور ہم شافعی ہے اور ان کی یہ ہم کتاب اللہ سنت کی ہے، اس لیے کہ اہل عربی میں ہم کے لیے ان کا نظریہ استعمال کیا گیا ہے، اور اس موضوع کی مناسبت سے ایک عام نظریہ کا انہوں نے اختیار کیا ہے، جو لوگوں میں بہت پھیل چکا ہے اور لوگ اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے جب کہ وہ ایسی سنگین عقلی ہے جس کے نو جوانوں پر ایمانی برسے اثرات نہ رہے ہیں، اور وہ یہ کہ اپنی فہم اور اپنے ناقص علم کو لوگوں کے سامنے نقلیست یا نقلیست والی کتاب کے نام سے پیش کرتے ہیں یہ نقلیست والی کتاب ان کی ذات یا ان کی فہم و دانش کا نام ہے، اس لیے کہ جب وہ نقلی کتاب یا نقلیست کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے انہوں کی فہم و دانش کا نام ہے، لیکن اس کچھ کو پیش کرنے والا کون ہے؟ کیا وہ دہر، مگر، عام لوگوں کی کچھ کو قرآن و سنت کی تفسیر اور ادراک کیا ہے؟ اور عام لوگوں کے خیال و رائے کو کتاب اور سنت کی رائے قرار دے کر

یہ جتنا ماحضود ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے دین کو اس کے اصلی مرتضیٰ سے زیادہ درست بنایا رہے ہیں حقیقت میں ایسے لوگوں کا مشہور لوگوں کو کفر حق اور کفر شافعی سے دور کرنا ہوتا ہے وہ صراحت سے یہ کہتے بکھرتے ہیں کہ اگر کفر اجماعی چاہے ہو یا کفر حق اور شافعی تو ایک شخص اپنے ساتھیوں کو نماز پر جانے کے وقت جب مصطفیٰ کی طرف جاتا تو نماز شروع کرنے سے پہلے سب نمازیوں کی طرف موجود ہوا اور کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں نماز اجماعی پڑھاؤں یا نماز شافعی اس وقت نماز شافعی کی طرف کیا مثالیں دی جائیں اور یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہو سکا جب کہ حضرات نے اپنی فہم و دانش اور کفر و کفر و کتاب و حدیث کو اور طریقہ اور شافعی و حدیث کی کفر و کفر حق اور شافعی میں نہ دیا اس کو کفر و کتاب اور حدیث بھی نہ کیا یعنی جو کتاب و حدیث کی صحیح فکر اسلامی اور صحیح شرح حق، اس کتاب و حدیث سے کات کر رکھ دیا اور لوگوں کے سامنے اپنی فساد سلطنتیں رات بیتی کر کے اسے کتاب و حدیث کا حاصل قرار دیا اور حضرات کے دھوکے اور فریب میں آئے وہ ان اہل اسلام سے واقف ہی نہیں جن کی امامت امت میں مسلم ہے وہ ان کی امامت جعفری و دین داری و علم و فہم اور اشتباہ کی تعلیم و ترویج سے اس دور میں بھی واقف اور نااہل ہیں جس میں حدیث نبوی علی سادہ الفاظ و الفاظ صحیحہ و سلام کی روایت حدیث و اشتباہ و افتاد و تحریف و ضبط کتاب و قرأت ہر لحاظ سے اس کی صحت شرعی و فہم میں شک نہیں ہے۔

ایسا زور و طعن ماحول و علوم اسلامیہ کے تمام گوشہ ہائے ظاہرہ و باطن، فنی و دینی کے ساتھ ہر جانب کو کھینچا اور اس زمانے میں مطلقہ اور نااہل ہے اور اورت یہاں تک پہنچی ہے کہ ایک شخص دینی تواضع و احترام کا کرتا ہے لیکن اس کو صحیح عربی میں اپنے مافی الضمیر کی تصویر پر جان کے لحاظ سے مذمت ہے اور اگر وہ کتابت سے ہی وہ کتاب و حدیث کی شرح کر سکتا ہے اس کی جہالت کی انتہا کا اندازہ اس بات سے لگا جا سکتا ہے کہ اقوال و اقوال میں واطہ تعالیٰ کی یہ دلی کرمہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے علماء استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایانہ تو کیا ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی شان کے خلاف اور اس کی شخصیت

پر دلالت کرتے ہیں۔ علم اور شرح کے تسلیم کے اعتبار کے لیے وہ کہتا ہے: "المصنف طحاوی اس جہالت سے یہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو کون پہانے گا؟ اور کس چیز سے بچائے گا؟ مختلف نبی کی عصمت تو کہا ہوں سے ہوئی ہے وہی طرح فرشتوں کی عصمت ثابت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے عصمت کو ثابت کرنے سے بدی جہالت اور کیا ہوگی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے اس حدیث کو کسی شخص سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ اگر کہہ سکتے ہوں تو اس کے معنی نہیں سمجھتا تو یہ ایک سمیٹ ہے، اور اگر چاہتا ہے اور جان نہ بد کر لیا کہتا ہے تو تھوڑے دین سے عقل تھوڑے ایمان کر کے پہلے دین میں تو داخل ہو، پھر اس کی اصلاح کی فکر بعد میں کرے۔

اختلاف علماء کے اسباب میں سے سبب جاتی پر حکام کو حکم کرنے سے قبل جس چیز میں نے پہنچا اور اق میں تحصیل سے بیان کیا یعنی جو کفر کتاب و حدیث و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف امت اور قسما صحیحہ سے ثابت اور مضبوط ہو وہ دین ہے اور ان مسائل و ضبط کو دین سے الگ کرنا یا سمجھنا یا ٹوٹنا، بلکہ وہ دین کا حصہ ہیں لیکن اس کا حصہ ہے کچھ اشتباہ کا حال بھی سن لیجئے اور اس اشتباہ کو نام ازمانی و حدیث تعالیٰ نے "تو اور علماء" کا نام دیا ہے۔ یعنی علماء کے اپنے اشتباہ و تواتر و قول جس کو بعد علماء نے کوئی اہیت نہیں دینی اور حق اس کا اعتبار کیا۔

سنیں کوئی میں امام جعفری نے امام باقری کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ من بعد نبی و بعد علیہ السلام من الاسلام جس نے علماء کے تواتر و قول کو اعتبار کر لیا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اور ابن مبارک نے "ما یجوز ان یعلم" (۱۰۷۲-۱۰۷۳) میں مشہور عالم اور محدث و محدث سلیمان النخعی نے اس قول کو سن کر کہا کہ اس حدیث کی کیا ہے:

"اگر تو ہر عالم کی حدیث کا اعتبار کرے گا جس میں دھت و دھت و حدیث کا حکم ہے

تو ہمارے جہاں کا شرور و عافیت تمام جہاں جاسے گا۔"

اور اس پر ابن مبارک نے جواب دیا:

"اس بات پر اصرار ہے کہ اس میں کسی کے اختلاف کو نہیں جانتا۔"

علامہ کلین دہب مثلی نے "شرح مثل الترقی" (۱-۳۱) میں ابراہیم بن ابی حمزہ جو امام مالک کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میں نے علماء کے شمار و قول اختیار کیے اس نے فرمایا کہ اختیار کیا۔"

اور معاذ پر بن مرو کا قول ہے:

"خبردار علم میں شمار و قول سے دور رہو۔"

علامہ زبیر انکوشی رحمہ اللہ تعالیٰ "تذیل تذکرہ ائمہ کرام" (ص: ۱۵۸) میں ابن ابی حمزہ کا قول ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"من تبع شیوخ العلماء ضلّ۔" میں نے علماء کے ان مسائل پر عمل کیا جو بڑے

خبردار ہیں وہ گمراہ ہوا۔"

امام حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنہ (۳۱۰ھ) میں عراق میں شافعیہ کے امام ابراہیم بن شریح سے روایت کرتے ہیں اور وہ عراق میں مالکیہ کے امام حاضی و ساجل بن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے کہ انھوں نے کہا:

"میں علیہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے ایک کتاب دی جس

کو میں نے پڑھا کسی نے علمائے ائمہ میں سے جو کہیں سے پہنچتی ہے اسے سب

اس کتاب میں شیخ کردا اور اس کے لیے جو کچھ آگیا پڑھنے کے لیے مبرا کیے ہیں کا بھی ذکر

قلم میں نے علیہ علیہ سے کہا کہ اس کتاب کا مصنف زہری ہے تو علیہ علیہ نے یہ جواب

کہا یہ امام ہیں اس کتاب میں ذکر وہی کیا ہوا ہے جس میں نے کہا ادا ہے تو میرے

روایت کی گئی ہے وہ اپنے ہی ہیں لیکن میں نے یہ کہہ کر کہنے کی حالت میں مبرا کہا

اس نے کہ جو کچھ میں نے کہا اور میں نے کہہ کر کہا ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہاں

یہ صحیح ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اور میں نے کہہ کر کہا ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہاں

یہ صحیح ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اور میں نے کہہ کر کہا ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہاں

یہ صحیح ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اور میں نے کہہ کر کہا ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہاں

یہ صحیح ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اور میں نے کہہ کر کہا ہوتا ہے اس نے کہا کہ ہاں

اور امام احمد نے اپنی کتاب "المعتمد" میں (۱۳۶/۱) روایت ابو عبد اللہ رحمہ اللہ کا یہ قول کیا ہے:

"میں نے ان تمام لوگوں کو کتب سے روایت کیا ہے جن میں ان کے مطابق

عمل کرتے ہیں وہ اس کا سہارا لیں۔"

اور مسودہ (ص: ۱۸۸) میں شیخ ابن حبیہ رحمہ اللہ رحمہ اللہ کے کلام میں ہے کہ:

"میراث میں احمد نے اپنے والد (احمد بن حنفی) سے روایت کیا کہ میں نے شیخ

احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص ہر شخص پر عمل کرتے ہوئے ہیں

تو اس کے والد نے اس کی اہانت کی اور اس کو اپنے والد کی اور اس کے والد کی

روایت کیا ہے۔"

یہ قول شیخ الطحطاوی کا جواب دہ ان کے بچے محمد کا جواب کہ اس سے پہلے روایت میں گذرا

اور جہاں تک مجھے یاد ہے یہ قول شیخ الطحطاوی کا ہے۔

حافظ نے "تعلیقات" میں کہا: محمد بن اسحاق نے "مصر سے روایت ہے کہ:

"کوئی شخص اہل مدینہ کا قول علیہ علیہ رحمہ اللہ سے نہیں لے سکتا (مذہب کے پیچھے کی

طرف سے نہ ہے) میں نے اس کا حوالہ کیا کہ وہ صرف اہل مدینہ کے لوگوں کا شعر ہے تو وہ

اس کے جزیرہ میں شمار ہوتا ہے۔"

امام حاکم نے "مصری علوم اللہ" (ص: ۱۸) میں امام ابو ذری سے نقل کیا:

"اہل عراق کی پانچ باتیں اہل مدینہ کی پانچ باتیں قابل مذکر ہیں۔ ابراہیم کو

تعلیل سے ذکر کیا۔"

ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے "مصری علوم اللہ" (ص: ۱۸) میں امام ابو ذری سے نقل کیا:

"جو طریقہ کھیل کے بارے میں ہیں، دلیل دے گا کہ اس نے طریقہ کھیل جو

علم میں مشہور ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ دلیل ہی کی ہے جو علم کو چھوڑ کر اپنی

خوشامد کے لیے اس کی اصلاح کرے۔ اگر کوئی علم تعلیم کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس

کہ تم اس کی عقلی کی بھی ادراج نہ کرو، اس بات سے ہم کو صحیح کیا گیا ہے۔ اور علماء کی عقلیوں کے بارے میں ہم پر یہ خوف ظاہر کیا گیا ہے کہ کہیں یہاں عقلیوں پر بھی عمل نہ ہو، شرعاً نہ کر دیں۔ اور ہر حضرت کمرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کو سہ کے ساتھ منسوب کیا کہ تمہیں چاہیے کہ گمراہ کرنے والی ہیں، گمراہ کر دینے والے علماء منافق کا قرائن کی آیات میں جہاں کہہ دو عالم کی عقلی۔

ابراہیم بن اسحاق رضی عنہ علم اور حدیث و فقہ کے بڑے امام گذرے ہیں۔ علامہ سبکی کی "طبقات ابن عسیر" (۱۲۵/۲) میں مذکور ہے کہ: "انہوں نے بعض حنفیوں کے شان و شانہ اور ناقص عمل اقوال کو جان کرنے کے بعد فرمایا کہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ یہ تو اہل علم ہیں، تو اس سے بچنا کیا جائے گا کہ اجزاء چاہوں گی عقلی وحی اسلام کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر ایک عالم کی عقلی اسلام کی بنیادوں کو ہلاکتی ہے۔"

اللہ کی قسم انہوں نے سچ کہا اور بھارت فرمائی یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عالم کی اس عقلی کو جہالت اور حماقت سے صحیح بہت کرنے کے لیے عاجزی پرانی کارواں لگایا جائے اور اس کے مقابلے میں حق کو غلط یا اہل قرائد دیا جائے اور اگر اس کی بدورت و بد علماء کی طرف سے کی جائے اور اس کو کامل اور غلط ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ اعتبار نہ کرتے ہوئے جہالت کے لیے اہل کردیا جائے تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

ابن عبد البر نے "المنازع" (۱۱۲/۲) میں اور طیبی نے "الفتاویٰ والمصلحہ" (۱۲۵/۲) میں اس شخص کو محدث ابن اسحق کی طرف منسوب کیا ہے کہ سبکھانے عالم کی عقلی کو کشتی کے ٹوٹنے سے بچنے والی ہے کہ وہ سبکھانی لاؤنی ہے تو اس کے ساتھ بہت سے لوگ بھی ڈوب جاتے ہیں۔

اور حافظ ابن ربیع شیلی نے "جامع العلوم والحکم" میں حدیث "انہ من الصبیحۃ" کی شرح (ص: ۷۷) میں فرمایا:

"اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ اعلاص و خیر خواہی کے اقوال میں سے ان علماء کی امت کا کردار ہے جو کتاب و سنت کے احکام میں گمراہ کن خیالات اور خواہشات نفسانی کی قیود یا کر کے اس کے عقلی معانی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اور قرآن و سنت کی ایسی حکمت اور بیان کے لیے مستعد اور آمادہ رہتے ہیں جو اس قسم کے گمراہ کن نظریات و خیالات کی تصحیح کی کرے اور اسی طرح علماء کی غلط فہمی یا غلطی سے جو ضعیف اقوال یا احکام میں داخل ہو جاتے ہیں قرآن و سنت کے واضح دلائل سے نکال دیا اور غلط افکار و آراء کو تردید کرنے کے بعد انہیں پھانت کر اس کو الگ کر دیتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہر جرح و تعدیل نے موضوع اہل حدیث کے بارے میں اقامہ و تحقیقات کو کر دیا اور اہل حدیث کے کمزور ہونے کو ثابت کیا۔" اگر تم کو اس قول کے غلط ہونے اور گمراہی کی علامت کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ: محبوب بن سفیان طبرستانی نے اپنی "معارج" (۱۱۰) میں اور امام شافعی نے اپنی "مسنن" میں اور علی بن حضرت صفوان بن یزید کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے، جو سب سے بڑا دلائل ہے۔

یہ بن عمر و بن کثیر تابعین میں سے ہیں اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت صفوان جب مجلس ذکر منعقد کرتے تو یہ اور شاہ فرماتے: "عَنْكُمْ عَدَانٌ"۔ (اللہ زبردست حاکم و عادل ہے) ایک دن مجلس میں تکریم فرماتے فرمایا کہ:

"تمہارے بعد نہ ملے یہاں کے جس میں مال کی حرمت ہو اور قرآن کو

ہائے گمراہی سے دوسری باتیں نہ لکھو اور منافق کی آواز میں نہ علم حاصل کرو اور اسی صحت بھی دیا

میں اور چھوٹا بھی قریب ہے۔ لہذا کہ کوئی ایسا کہے کہ وہ ایک ایسی جرح نہیں کرتے

وہ کہیں نے قرآن و احادیث کی حق یہ اس حد تک جرحی و جرح نہیں کرتے کہ وہ

کتاب میں اس قرآن کے غلط کوئی نئی چیز کے سامنے نہیں دیکھیں، لیکن ہم یہاں رہا رہا

باقول ہر جہات سے، کیوں کہ دعوت گروہی ہے اور تحکیم کی گروہی سے بچ کر کئی شیطان
 حکیم کے تحت سے گروہی کا ٹھکانا ہے اور کئی بھی حکم حق جو حق سے نکال دی جا رہا ہے۔
 پانچویں جہ سے کہا کہ جس حدیث حدیث کا یہاں ہم کہتے معلوم کریں کہ حکیم نے گروہی کا حکم کیا
 اور حق نے لے لیا، بات کی "حضرت" حدیث نے فرمایا حکیم کی ایسی حدیث باقوال سے بچ جس کے
 بارے میں غم آجپ ہے کہ وہ یہ کہات ہوئی "ہوئی حدیث" بات کا جس سے دور کر دے اس
 لیے کہ اس حدیث کی کیا لیا جات ہے اور چرا کہ اسے پہلے حق پر تو حدیث کی ہوئی ہے۔

انہی حدیثی فرماتے ہیں کہ حکیم آدمی کی جڑوں کی ٹٹلی اور کبھی کے سبب اس سے اعراض
 اور دور کر دلی لاؤ نہ نہیں۔ اب اس کی وہ بات جو واضح اور روشن نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اور جو
 روشن اور واضح ہو اس کو اختیار کیا جائے اس لیے کہ حق روشن ہوتا ہے۔ یعنی واضح علم اس کی وہ
 بات روشن ہوگی جس پر کتاب اللہ یا سنت یا حدیث یا قیاس کی روایات واضح ہوگی، تو حضرت معاذ
 رضی اللہ عنہ نے لکھا: پسے طاکہ کی طرف اشارہ کر کے خبردار کیا جو اسلام سے خارج ہے اور
 لکھی بدعت لوگوں کے سامنے آتا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور ایسے طاکہ
 صالح کی شکایت بھی فرمائی جن میں ایمان و حکمت کی علامات اور کلمے ظاہر ہوں اور کئی
 کلمہ ہوں سے کوئی لفظی سرزد ہو جائے تو اس کو دوسرا کے ساتھ اس کی گروہ طاکہ جیسے مسلک
 نہ کرے، بلکہ اس طاکہ صالح کی اپنی اور واضح باتوں کو اختیار کرے اور جو شکار و تار یا مشتبہ
 باتیں ہیں ان کو چھوڑ دے۔ لفظی اور گروہی کی علامت یہی تھی کہ وہ حق کی طرح روشن ہونے
 کے بجائے غمست کی حامل ہوتی ہے اور اسے مشتبہات سے تعبیر کیا، جس کو حضرت سلیمہ قول
 کرنے سے چٹکائے اور حذر دیا، یہاں تک کہ اس کی اصل حالت حق کی اس میں پائی جائے کہ
 سنتے وہاں سے اختیار نہ کیے یہ سمجھ ہو کہ یہ کہات ہوئی؟^(۱) یعنی یہ تو ایسی بات ہے جو ہرگز قابل
 قول نہیں۔ اور ایسا تعجب وہی کرے کہ جو خارج آشتی سے فریست ہوگا، اس لیے کہ جب کوئی

(۱) بیان علیہ روایت ابن عبد ربہ "شعبہ" (۱/۱۶۲) "معاذ" و "کعب" و "ابن مسعود" نقل می لکھا

مروءت و حکم و لکھو و معا و بنو لکھو و "شعبہ"

بات اصل علم اور علم کے سامنے لائی آئے گی جس کی قرآن و حدیث یا احادیث و قیاس
 سے کوئی اصل نہ ملے تو حدیثی اصل یا حدیث اس کو دور کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔

"اسلام ہلو نہیں (۱۳۳۵ھ و ما بعد) میں امام ابن قیم نے اس موضوع پر اچھلی
 محدود نہیں لکھا کیا ہے جس میں علماء کی طرفوں سے پہچنے کی تحقیر لکھائی ہے فرماتے ہیں۔

"اس کے سامنے اور ان کے قول کا اختیار کرنے اور ان قول سے بچے جو قابل

عمل نہیں، کے درمیان سہولت یوں بات کی ہے۔ وہ ایسی باتیں ہیں، اختیار کرنا ایک

دوسری یہ غلطی نہ تھی ہے اور ان "باقول" میں سے ایک جو حکیم اور قابل عمل ہے یہ کہ

"اصولہ اللہ و امرہ رسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و لکھو و لکھو و لکھو و لکھو کے لیے احکام

اور ایسی خارج اس کے درمیان اور کتاب و دین کے لیے اس کے لیے احکام اور کتاب

حدیث و رسول اللہ کی احادیث اور فی حدیث کا نہ یہ ہر دم لیا جائے اور اقوال باطل اور متنازعہ

معارضہ سے اس دین کو بچانا جس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بدعت ہوئی۔ جو

پانچ جہات اور حدیث پر مشتمل ہے۔"

دوسری بات اس اسلام کی قدر و منزلت و غلطی، اور ان کے حقوق اور مراتب کی
 معرفت ہے کہ ان کی غلطی اور علم کا حقوق اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ و سلم
 کے لیے ان کی مخلصانہ اور وہ حق پہنچے ہے ہاؤ نہ نہیں؟ تاکہ ان کی ہر بات کو قبول کر لیا جائے
 اور ان کے "دوسرا" جن کے وہ ان تک ان کا علم نہیں پہنچا، جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و سلم نے
 کر دیا جس طرح ان کے ان کے "مخلص" کو تھے ان کی نگاہ سے پوشیدہ رہے تو اپنی طبی
 استعداد اور مبلغ علم کے مطابق ان میں اس کے انہوں نے کلام کیا اب کجی اور درست بات
 اس کے خلاف اور برکت بات ہوئی۔

جس طرح ہر بات کا قول کرنا لازم نہیں، اسی طرح ان کے دوسرے کج قول کو
 ترک کرنا بھی کوئی "اختیاری" نہیں نہ یہ لازم آتا ہے کوئی جن کی شان میں ہے لکھی اور کثرت
 کرنا چھوڑے، یہ دونوں اسلوب اعتدال کی راہ سے اطراف کے متعارف ہیں اور کج راہ وہی

ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے، اور لفظ قطریہ سے سمجھتے ہوئے دون کی معنائی قرین کرنے کی ضرورت ہے۔ خان کا کہنا کہ وہ عجمی قراء یا قرین بضم صاف ہے۔ بلکہ جراثیموں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی متابعت میں اختیار کیا اس کو اختیار کریں۔ اور ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف اس کے لیے ہرگز نہیں، جس کا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حاکمیت کے لیے کھول دے۔ بلکہ حقائق اس کے لیے ہے ہر اثر کے مقام اور نوعیت سے جو ایک ہے۔ یا شریعت کی اس حقیقت سے غافل ہے جس کو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت فرمایا اور جس کو شریعت اور حقیقت باطنی کا علم ہے، وہ انہی طرح چاہتا ہے کہ ایک قابل احترام شخص جس کی اسلام میں حدیثات بھی سب کے لیے حیاں ہو اور ان پر صلاح و درجہ کے آثار بھی واضح ہوں اور اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس کا ایک مقام بھی ہو اور ایک آدمی عقلی پران کے تمام حقائق کو کیسے صرف لفظی طرح بتایا جاسکتا ہے؟ بلکہ وہ اس میں مستورا بلکہ ابھر سمجھا جائے۔ (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ محمد اگر کجی اختیار کرے تو اس کو وہاں چلتے ہیں، ایک گج ہوتا اور دوسرا گج اس کے لیے اختیار اور کوشش کا اور اگر اختیار میں عقلی ہو جائے تو کجی ہوئے گا اور جو دے گا تو اس کے لیے جو اس کے لیے میں تھا اس نے کہا اس کو کوشش کا ایک ہر گج اس کو ملے گا)۔

بہن! اس کا کیا جائے کہ اس عقلی میں ان کا اصرار نہ کیا جائے اور یہ قطعاً ہرگز نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے دلوں سے اس کی قدر و حرمت کو کوٹنے کی سعی کی جائے، ایمان کی اہمیت پر طعن و تشنیع روا رکھی جائے۔

اس موضوع کو اس لیے میں نے کافی غور دیا کہ کسی واقعہ کو بعض ناواقفیت اندیش لوگ اپنی منفرد آراء اور ضعیف اقوال کے سہارے اچھا بچھا کر ان جہود و کوششوں کی طاقت میں سرگرم رہتے ہیں جو مصر صحابہ سے لے کر آج تک صدیوں سے امت کی گنج راہ دینی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لہذا اس لحاظ سے کہ کہیں وہ شرائط قلیلہ جو اپنے شرف و شان و کرامت و عظمت کو ان کو ان کے عقائد و عقائد میں ان کی کرامتی طاقت اور اثرات کو اپنا جانے کے لیے چاہو

بردار کر رہے ہیں اور عقلی ہی کرتے ہیں کہ ہماری آراء اور آہن و سنت کے مطابق ہیں اور ان خود ساختہ آراء کو محمد بن کی حالی قدر میں جس حقیقت پر ترجیح دینے کی کوشش میں شب و روز ایک کیے ہوئے ہیں۔ امت میں اختلاف اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف میں کامیاب نہ ہوں۔ اس موضوع کو جس نے تفصیل سے بیان کیا کہ ان کے فتوے اور نوادہ کو خود غور و تحقیق نہ سمجھا جائے اور ان کے لیے بنیاد بلند بالک دعاوی پر کان نہ دھرنے چاہیے۔

اس تحریر اور تحقیق کی روشنی میں ہم امام صفیان ثوری کی اس بات کی تخریج کرتے ہیں جو انہوں نے فرمائی کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو جو ایمان کا کام کر رہا ہے جس میں اختلاف ہے اور تمہارا موقف اس کے خلاف ہے تو اس کو سب سے مت کر دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اختلاف آیا ہو جس کا اعتبار علماء نے کیا ہو، ہر اختلاف رائے میں جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں جو مضمون ہے وہ علامہ کی زبانوں پر جاری ساری رہتا ہے۔ شعر =

مجلس سبب خلاف جہاد صحراً لا خلاف لہ حط من الخطر^(۱)

یعنی ہر اختلاف صحیح نہیں ہوتا، بلکہ وہی اختلاف قابل اعتبار ہے جس کی تائید میں دونوں طرف دلائل شریعہ سمجھوں۔

اہل بیت جہاد خلاف شاذ اور نادر ہوتا ہے کہ غافل یا غافل پر سکوت ہرگز کج نہیں۔ ابن حزم نے اپنی کتاب "الاحکام" میں اقوال نادرہ و نادرہ پر بحث میں پیش کی ہیں، مگر چہ وہ ان بحثوں کو ان کی تردید کے دلائل میں ذکر کرتے ہیں ہر اختلاف بہت کدورت قرار دیتے ہیں، نہ صرف یہ کہ اس پر سکوت ہرگز نہیں بلکہ ایسے اختلاف کی تردید کی جائے۔ علامہ ابن عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہذب کتاب "جامع العلوم والحکم" (۲۲۲-۲۲۳) میں ارشاد فرماتے ہیں: حدیث الصحیح لہ تدلیل و کتابہ و رسولہ۔ (جس کی تخریج انہی جان بولی) کی رو سے ایمان عمل و جہاد کے ساتھ شخص ہے یہ بھی ہے کہ گروہ کی ایسا کی تردید

کتاب اور سنت کی روشنی میں کی جائے۔ اور اپنے دلائل کتاب و سنت سے بیان کرنا واجب ہے جو اختلاف فطیع اور کفرانی کا سد باب کرتے ہیں، اسی طرح اقوال علماء میں سے جو ضعیف اور غلط ہیں اس کو قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں واضح کرنا علماء کا فریضہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسا للہ قول یا فعل جس کا انکار واجب ہے وہ یا فعل اور قول ہوتا ہے جس کے منکر اور فطحا ہونے پر اعتقاد ہو اور جو خود غلطی اور گمراہی کے درمیان مختلف فیہ ہو، بعض علماء کے نزدیک جو فعل واجبہ کے نتیجہ یا کسی مجتہد کی تقلید کی اقل میں ظاہر ہو تو اس پر انکار واجب نہیں، البتہ قاضی ابو یعلیٰ "الاحکام السلطانیہ" (ص ۷۶۹) میں اپنے اختلاف کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو کسی ایسے موضوع شرعی تک پہنچا دے جس کا فقہ اور منکر ہو یا تحقیق علیہ ہو، جیسے سود و رائج حدہ جو زنا کے حکم میں ہے۔ امام ہامد رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرستان کچیلے والے پر ہے جو انکار فرمایا ہے جس کی قاضی صاحب نے یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ ان کچیلے والے پر ہے جو اخیر مجتہد یا تاجید مجتہد کے کچیلے (لیکن امام شافعی کے نزدیک بھی اگر طبرستان کی مشوریت کسی واجبہ یا فرض کے خلاف کا باعث بنے تو موضوع ہے) اور میں ان میں اختلاف قوی ہے اور انھوں نے اختلاف ہوا اس کا اختیار کرنا بھی علماء کے شرف و ثناء اور دین میں داخل ہے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سید محمدی راہ پر چلائے اور اسے اقوال و افعال کو بھی ارشاد و چارہ دے تو اسے (آمین یا رب العالمین)

تیسرا سبب

ظاہر حقائق احادیث کی بنا پر ائمہ کرام کے یہاں اختلاف کا پایا جاتا تیسرا سبب اختلاف ائمہ کا ان کے مسائل کا اختلاف ہے جو ظاہر سنت سے حقائق معلوم ہوتا ہے، اس موضوع کی تحقیق کا عمل علم حدیث اور اصول فقہ جیسے عظیم علوم سے استفادہ کا ایک وسیع میدان ہے، علم حدیث سے استفادہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ سے تعلق رکھنے والی مختلف احادیث کا علم اور ان احادیث میں جو اختلاف و آثار وارد ہوئے ہیں ان کا مسئلہ سے قریب یا دور کی قسم کا رد یا مل جانا ہے۔

علم اصول فقہ سے یہاں استفادہ ہوتا ہے کہ ان قواعد و احکام کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے جو قرآن و سنت کے دیگر خصوص کی روشنی میں جاری کیے گئے ہیں اور جو اس تحقیق کا ہدایت دہ ہے اس کی گروہ و جمہ اچھلی پیش اور لطیف ہوتی ہے اور ان کے ساتھ اس کو امام حقائق و خصوص میں تحقیق کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل بحث میں ہم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں اس بار کہ علم کے مہندی پر یہ اچھی طرح واضح ہے کہ ایک مسئلہ میں بہت سی احادیث جو عقلی پرورامت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتی ہیں اور ان کی یہ اختلاف و عقلی سے منکر ہوتا ہے۔ علماء کرام سے اس اختلاف کی صورت میں مختلف مسائل منقول ہیں۔

پہلا مسلک: (۱) اور حقائق حدیث کو کوئی کرنے کی کوشش (کہ دونوں پر عمل کیا جائے) یا دونوں میں تاویل کی جائے۔ (۲) معانی میں جھگڑی۔

دوسرا مسلک: حق ممکن نہ ہو تو ترجیح کا قول، کہ ایک حدیث دوسری کو موضوع کرے۔

تیسرا مسلک: اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور قرآن میں اس کے خلاف ہیں تو ترجیح کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو ترجیح کی بنیاد پر عمل کے لیے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دی گئی ہے۔

اقل علماء نے مسلک ثالث کو اپنی پر مقدم رکھا ہے۔ یعنی اول ترجیح، پھر ترجیح، پھر ترجیح

کی ترجمہ کو اختیار کیا۔ ان مسکوں کی تفصیل کافی طویل ہے۔ جس پر میں نے ذیل میں روشنی ڈالی ہے۔

(۱) دو حدیثیں حدیثوں کو جمع کر کے میں ملکر دویم کو بنا دیا۔ بعض علماء نے ان دو حدیثوں کو جو آپس میں حدیثیں اور حدیثیں ہیں، یعنی ایک پر عمل کر دو دوسری پر عمل نہیں ہو سکتا۔ عمل کے اعتبار سے صحیح کرنے کو ممکن قرار دیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان علماء کے لیے ان دونوں حدیثوں کو سمجھنے میں ایک غلطی آئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح کا طریقہ بعض دوسرے علماء کے لیے آسان فرمایا۔ اس لیے علماء کرام نے بظاہر دو حدیثیں روایتیں کے صحیح کے بارے میں عدم امکان کے دعویٰ سے نقل خوب غور و تاویل کی ضرورت پڑو دیا ہے۔

(۲) اگر ملاحظہ ہو روایت صحیح کرنا آسان نہ ہو تو دونوں میں سے کسی ایک کا مستخرج قرار دینے کے لیے قرآن صحیح پر غور و تامل ہوگا۔ (یہاں حضرت علامہ صاحب مری رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف المسند (۱۰۳۶) میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کی طرف متعلقہ نے غائبیہ میں خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ صحیح کے قرآن پر غور کرنا جب اجتہاد کے درجے ہو تو صحیح اجتہادی کہلاتا ہے، البتہ حدیث کا زائد اگر معلوم ہو تو وہ تمام پر سب کے زائد ایک مقدم ہوگی لیکن بعد ازاں حدیث ناخ ہوگی مگر حدیث کے لیے اور جس کا زائد مقدم ہو وہ مستخرج ہوا ہے۔ گئی کہ اور قرآن صحیح کو آپ حدیث صحیح کا نام دے سکتے ہیں اور وہ صحیح ہے۔

۱- یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن صحیح کی تصریح فرمادی جیسے صحیح مسلم کی حدیث ہے کثرت حدیثکم عن زیارۃ القبر و غزوہ ہما میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر اب زیارت کر لیا کرو۔

۲- قول صحابی سے معلوم ہو جاتا ہے جیسے سنن ابی داؤد اور سنن ابی نعیم رحمہما کہ آپ کا آخری عمل آگ سے بکی میں جا رہا تھا یعنی اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ آپ کا آخری عمل آگ سے بکی ہوئی چیزوں کے بارے میں ترک و فراموشی ہے وہ آپ کو اس سے قبل آپ آگ سے بکی

ہوئی اشیاء کے بارے میں فرما کر ہم سے بچے تھے۔

۳- تاریخ کے صحیح کاظم ہو جائے۔ جیسے شواہد میں اس کی روایت ہے: "انظر لحاحم وضمحوم" پچھلے لگانے والے لکھو جس کو پچھلے لگانے کے دونوں کا رد ہوتا ہے۔ (طالع کے طور پر جسم سے خون نکالنے کو عربی میں حجامت کہتے ہیں) اور بعض روایات میں ۲۷ ہے کہ یہ روایت حضرت کے آخری سال کی ہے اور اس کو مستخرج کرنے والی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے "استحکم فیہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو معہم" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کروائی جب کہ آپ روزے سے اور احرام میں تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ پیر الوداع کا واقعہ ہے جو وہی بھری میں ہوا اور بھی صحیح کے بعض قرآن میں مل جاتے ہیں، جیسے کہ ایک حدیث کے راوی کا غیر سے اسلام لائے اور حدیث کے متن کی صراحت بھی کی قرآن بعد ازاں روایت سے وہ حدیث مستخرج ہو جائے گی جس کے راوی اس حدیث راوی سے پہلے اسلام لائے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کے متن کی اسلام لانے کے زمانے میں صراحت بھی کر دی ہو۔ اس کے علاوہ بھی بعض دینی اور سنی مشاہیر نے حدیث میں جس میں قدر اور زور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ تحقیق بڑی جامع اور بے غبار ہوتی ہے۔

۴- حدیث کے مستخرج ہونے کاظم اس سے بھی ہو جاتا ہے کہ ابلاغ اس کے خلاف منقول ہو اور ابلاغ کے اعتبار کی تحقیق میں بھی بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ کسی نے اس ابلاغ کی مخالفت نہیں کی۔

(۳) اگر صحیح کاظم بھی ثابت نہ ہو سکتا پھر آخری صحیح میں اللہ عزوجل کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

دو حدیثوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح کامل بہت دشوار اور مشکل ہے والا ہے،

اس لیے کہ پہلے مرحلہ یعنی "مخبرین المؤمنین" میں انہم اور محفل کی شہید ضرورت پڑتی ہے اور سچے مومن میں جو دوسرا مرحلہ ہے اس میں احادیث اور روایت کے بارے میں مکمل معلومات ہونی ضروری ہے اور ترجیح کا دعویٰ جو دوسرا مرحلہ ہے اس میں روایت اور حدیث دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ روایت کے لیے تو ہم معانی اور ترجمہ لگاؤ کی ضرورت ہے اور روایت کے لیے جہاں کلمہ اور لفظ کی ضرورت پڑتی ہے جہاں خاص مسئلہ سے کسی قسم کا تعلق رکھتی ہو خاص طور پر روایت کی اسانید سے بحث جہاں تحقیق محنت طلب اور دوسرا مرحلہ ہے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس حدیث کے روایت کرنے والوں کی بحث اس کی تاریخ روایات اور اوصاف اور حدیث کے متن کے الفاظ اور اس قسم کی دوسری تحقیقات اس موضوع پر ترجیح کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کتاب کی کلی اہمیت میں وہاں میں نے یہ جملہ لکھا کہ "اس خاص مسئلہ کے بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں سب کا اقتضا اور اس پر مطلع ہونا ضروری ہے" تو میرے ذہن میں ایک مثال تھی جس کو میں پیش کرتا ہوں۔ کتاب اگر کسی بڑی میں متعدد اہل دین تو وہ اپنی نہیں ہو جاتا ہے، اس بڑی کے دعوے اور پاک کرنے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس بڑی کو سات مرتبہ دھویا جائے اور یہ روایت مرفوعہ ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی حضرت ابو ہریرہ نقل فرما رہے ہیں۔ یہود علماء کا اس حدیث پر عمل ہے اور حنفیہ کہتے ہیں وہ بڑی نہیں مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا یہی خود روایت حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ نے توفیٰ دیا اور اہل کیا اور اصحاب کے نزدیک اگر روایت خود اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے تو اس سے حدیث قابل عمل نہیں رہتی اور طول ہو جاتی ہے۔

علامہ شافعی انکوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ کا دھونا منسوخ ہے اور نہیں دفعہ دھونا منسوخ نہیں، کیوں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہوں کے بارے میں خود دھو جاتی ہیں تو یہ تحقیق کی اور آسانی کی طرف آئے اور اس کے برعکس نہیں کیا۔ ابتداء میں انہوں

کو جان سے مارنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کی کنوئیں کے ساتھ اہلقت اور اہمیت کا خاتمہ ہو، پھر صرف شہید کا لے کئے کے مارنے کا حکم دیا اور پھر چاہے کے لیے اور چونکہ لڑی اور شکار سب کے لیے کتاب رکھنے کی اجازت مل گئی تو سات دفعہ دھونا لکھ دیا اور نصف احکام کے امام سے متاثر ہو کر کتا ہے اور تین دفعہ کافی ہوتا وہ آسانی اور سہولت کے ایام کے موافق ہے جو آخری عمل تھا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ مسئلہ صرف سات دفعہ دھونے تک محدود نہ ہو اور نہ اس پر کہ انطور پر عربی لاکا کرافت کو نہ تو ہر دور کے توفیٰ اور محفل تک محدود، بلکہ اس حیوان سے متعلق جسے احکام تھے سب میں تحقیق آئی۔ محفل سے بھی منع کیا، کیوں کہ شارب کا مقصد کچھ نہیں اس کا کیا کہہ دیا جاتا ہے، یعنی اس سہولت؟ وہ مقصد معلوم ہو جائے تو اس کے مطابق احکام بدل جائیں گے۔

علامہ کرام نے دو حدیثوں کے درمیان تضاد میں دور کرنے کے لیے جو وہ ترجیح کی تحقیق کی ہے۔ وہ ہے حدیث شریف ہے بالکل ہے اس پر اپنی کتابوں میں اس پر بحثیں نہیں اور اس میں سہولت لے جانے والے امام شافعی رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے "المرسلہ" (ص ۱۵۸) میں اپنے ساتھ اس موضوع پر بحث کر کے والے سے فرمایا کہ:

"وہ اصل اور فقیر جس پر ہم رحم مسئلہ کی حدیث فقیر کرتے ہیں یہ ہے کہ سب

دارے ساتہ خلف احادیث آتی ہیں ہم کسی ایک حدیث کو اس حدیث تک اختیار نہیں

کر سکتے ہیں جب دارے پاس آتی ہے سب دارے۔ اس پر روایت کرے کہ وہ حدیث

ہم نے عمل کے لیے اختیار کی ہے، اس حدیث سے توفیٰ اور منسوخ ہے جس کو ہم نے

ذکر کر دیا ہے۔ ساکن کے لیے چاہا کہ وہ سب کا چاہا ہم شافعی دہا کے درمیان

کہ روایں میں جو کتاب اللہ کے زیادہ مشابہ اور قریب ہو، وہ سب اس کی حدیث ہے قرآنی

احکام سے حدیث ہو جائے گی تو یہ ایک دلیل بار بحث ہوگی اس حدیث کو دوسری حدیث

پر ترجیح دینے کے لیے ماکر قرآن کریم کی کوئی آیت اور نص دلیل نکلے جو ان دو حدیثوں

میں سے زیادہ حدیث اور مطبوعہ اس کو اختیار کریں گے۔

زیادہ ثابت ہو سنے کا مطلب یہ ہے کہ جو روایت اس کو روایت کرتا ہے، اس کی سند محدثین کے پاس معتبر اور معروف ہو اور علم میں دوسروں سے زیادہ مشہور اور حفظ اور یاد کرنے میں بھی دوسروں سے زیادہ ہو، گویا قوت حافظہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے اور علمی حقیقت میں واقعی ہونا بھی ترجیح کی بنیاد میں نکلا ہے یا جو دوسروں کے ساتھ روایت کی گئی ہے اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو ایک سند سے روایت کی گئی ہے تو اکثری ترجیح اصل پر مطلق کے اعتبار سے ثابت ہوتی یا قرآن کے معنی سے زیادہ وساحت اور قوت دہائی حدیث کے دوسروں پر ترجیح ہوگی یا ان دونوں کے علاوہ دوسری اعادے سے جس کو زیادہ وساحت ہو اس کو اختیار کیا جائے گا۔ یا اہل علم اپنی معرفت اور وساحت سے ایک کو دوسری حدیث سے افضل اور اولیٰ قرار دیں جو ایک ایسا وہل کے زیادہ موافق ہے جو ایک حدیث کی ہے جن پر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامل ہے دوسری یہ کم کامل ہے تو جس پر زیادہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں اس کو ترجیح ہوگی۔

امام حازمی بھی اپنی کتاب "الاعتدال فی التلخیص و التیسیر من الاثر" میں اس موضوع کو بہت حدیث دلی، بھلا اس وجہ ترجیح میں سے اکثر جو کتابوں کے ساتھ بیان کیا اور کلام کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ترجیح ہیں اور اس مفسر کتاب کی حواشی کے طوفاً سے ان کو بیان نہیں کیا۔

حافظ عراقی اپنی اصلاح کے حاشیہ (ص ۲۳۵) میں امام حازمی کا یہ جملہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

"ترجیح کی وجوہات سو سے تجاوز ہیں اور میں ان سب کو مختصراً انھوں کا پہلے دو یہاں اس وجوہات انھوں کا جو امام حازمی نے فتح کیے ہیں اور بجز یہ کہ میں نے فتح کیے ہیں اور انھوں نے ویسا ہی کیا، ایک ایک سو میں وجوہات لکھیں اور کیا کہ ان وجوہات کے علاوہ بھی وجوہ ہیں بعض میں کچھ اختلاف ہے لیکن بعض دوسری مکتول ہیں اور جو بعض مذکور ہیں اس

میں بھی داخل ہے۔

حافظ شوکانی نے "ارشاد النہج" میں مرجحات کی بارہ بنیادی قسمیں لکھی ہیں تو مجموعی تعداد ایک سو ساٹھ تک پہنچی اور اس کلام میں یہ لکھا کہ: ہر صنف کے قصہ بہت ساری وجوہات اس کے علاوہ ہیں جن میں نے ذکر کی ہیں۔ ایسے موقع پر بعض لوگ جہالت یا احمال سے ایسا کرتے ہیں کہ جب دو حدیثیں ظاہر متعارض ان کے سامنے آتی ہیں، تو وہ کبھی بخاری اور مسلم میں مذکور حدیث کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں یا ہی جہالت اور سرعت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جو وجوہات ہم نے بیان کی ہیں ان میں سے کسی کو اہمیت نہیں دیتے جب کہ حافظ عراقی نے جو اسی وجہ ترجیح بیان کی ہیں وہ یہ ہے ترجیح یعنی کبھی بخاری اور مسلم کی حدیث کا دوسری کتابوں کی حدیث پر ترجیح دینا وجوہات کی لغو سست میں سو کے بعد کے بعد مذکور ہے تو ایک سو ایک وجوہ سے غفلت رہتے والوں، یا جان بوجھ کر غفلت ظاہر کرنے والوں کے ہار سے میں کیا کہتے ہوں وہاں طبقوں کا ظاہر تھا بھی تو مادی افکار ہے۔ امام شوکانی نے اس بارے میں جو جائز ترجیحات ذکر کی ہیں، اس میں اسرارِ نبویہ پر وجہ ترجیح لکھی ہے کہ سمجھنے کی حدیث کو ان اعادے پر ترجیح حاصل ہے جو سمجھنے میں نہیں ہیں، جزا تشویش میں دلائل والوں کے اس کلام سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں کہ ان صلاح نے سمجھنے کی حقیقت طیبہ حدیثیں کو کبھی ترجیح سے حدیث قرار دیا۔

جو حدیث صرف امام بخاری نے ذکر کی ہے اور مسلم میں نہیں ہے اس پر بھی حقیقت طیبہ کو مستمر قرار دیا اور اس پر حدیث کو صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کو اس روایت پر ترجیح دی جس کو صرف مسلم نے روایت کیا۔

اور حافظ عراقی نے سمجھنے کی حقیقت طیبہ روایت کو دوسری وجہ ترجیح سے سو (۱۰۰) سے بڑے بعد مؤخر ذکر کیا ہے اپنی کتاب میں انھوں نے جو کہا اور جس ترجیح سے بھی لکھا تو ان مدارج کی ترجیح اور کلام سب حافظ عراقی کے سامنے تھا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ان کے ذہن میں نہیں، بلکہ یا انھوں نے غفلت برتی، البتہ میں کہنا مناسب ہو گا کہ ان مراتب

کا دائرہ انتہائی تنگ اور محدود ہے جب کہ ماضی و ترقی اور مسلمانوں کے کلام کا یہ ان انتہائی وسیع اور فراخ ہے۔ اس بحث کے لیے کوئی اور موضوع اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور فرما ہم آسان کر دے تو تعلیم ہمت ہو سکتی ہے۔

امام مسلم جو کج مسلم کے مخالف ہیں ہمیں خدا جادیت باب غثی کر کے اٹاتے ہیں کہ وہ اس حدیث کو چھوڑتے ہیں جس کو اپنی کج میں انھوں نے روایت کی ہے جیسے انھوں نے کج مسلم میں جتاڑے کے لیے کھڑے ہو جانے کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ (۶۵۹/۲)، (۷۳-۸۱) اور پھر ان احادیث کو لے کر جو جتاڑے کے لیے کھڑے ہوئے والی روایت کو ان کے نزدیک منسوخ کر دینے والی ہیں۔ (۲-۶۶۱-۸۲، ۸۳) اور امام قرطبی مفسر حدیث نے اپنی تفسیر (۲۵۳) میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ امام مسلم باب کو اپنی حدیث پر فہم کرتے ہیں جس کا غم انھوں نے فہم کے لیے اختیار کیا تھا اور مخالف ہمارے ساتھ اس بات پر متفق ہے کہ ہم نے اس چیز کا التزام کیا ہے کہ امام مسلم اس حدیث کو کج قرار دے رہے ہیں، ان کے فہم اور اختیار کرنے کا ہم نے التزام نہیں کیا۔ امام امام بخاری اور محدث قتالی نے صرف جتاڑے کے لیے کھڑے ہوئے والی احادیث کو ذکر کیا ہے اور ان احادیث سے کوئی تصریح نہیں کیا جو ان احادیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اور یہاں ایک اہم حقیقت کو ہم غامض بنادیں اور اللہ عزوجل کے کلام سے نقل کرتا ہوں جو انھوں نے ترقی کی شرح "معارف اسحق" (۲۷۹-۳۷۹) میں اس الفاظ سے ذکر کیا ہے:

”مصر میں نے بہت پہلے یہ بات کہی ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ یہ اسباب صلاح ہو کر باقی رہیں۔ جیسے امام بخاری اور امام مسلم پھر ان کے علاوہ بھی دوسرے اسباب اختیار ہو چکے ہیں سب اس لیے اختیار ہوئے ہیں کہ ان میں ایک خاص شرب و منک کی طرف توجہ ہے اور ان تمام اعمال کا یہ کہ وہاں کے شربت سے ان کا انتہاء کان بخاطر مشکل مسائل کے حل میں ایک خاص فقہی حراج اختیار کر لیتا ہے اور اپنے اس خاص ذائقہ

کے سب اختلافی مسائل میں ایک باب کو اختیار کر لیتے ہیں، پھر جب وہ تعلیمات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اپنی تعلیمات میں ان کی مادیت کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے فقہی مذہب اور عقل کے موافق ہوتے ہیں اس مادیت کے اختیار کرتے ہیں۔

احادیث میں اپنے عقائد اور اجتہاد کے کام لیتے ہیں اور جو احادیث ان کے فقہی حراج سے متصادف نہیں رہتی ان کا ذکر نہیں کرتے، اس لیے کہ ان احادیث کو حل کے لیے انھوں نے اختیار نہیں کیا ہوتا، سو انے ان محدثین کے جنھوں نے طرفین اور فرقین کی احادیث کے بیان اور ذکر کا التزام کیا ہو جیسے غالب امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبلہ رحمہ اللہ اور ابن اثیر اور عبد اللہ بن ابی شیبہ اور عبد اللہ بن ابی حاتم نے اپنے مصنف میں اس کا التزام کیا ہے اور محدث کے حدیث میں استعمال کی ایک مثال چند طور پر نقل گذری یعنی جتاڑے کے لیے قیام اور عدم قیام کہ امام مسلم نے قیام کی احادیث کے بعد قیام کو منسوخ کرنے والی احادیث کا بھی ذکر کیا اور اس طرح نسائی نے "مسئلہ کبریٰ" (۶۵۹-۶۶۰) میں کیا، لیکن امام بخاری نے لفظ قیام کی احادیث روایت کی ہیں، کیوں کہ مسلم کے حج پر والہ و لا اشتغال امام بخاری کی کتب میں نہیں آیا تھا تو ان احادیث کے اطلاق سے اعراض فرمایا کہ مسلم و نسائی نے محض سے کام لے کر احادیث کا نسخہ کو ذکر کیا اور امام بخاری نے اس حج کو نہیں سمجھا اس لیے وہ روایات حج کو کج بخاری میں نہیں لائے۔ مفسر کی حقیقت ہم ابی حدیثیم^(۱) یعنی دین احادیث ذکر کرتے ہیں جو ان کے عقائد اور اجتہاد کے موافق ہو۔

دوسری مثال ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ”میں سبلی علی حوالہ علی الطبیعت فلا شیء، لہ“ یعنی جو مسجد میں جتاڑے کی نماز پڑھے اس کے لیے بکھری گئیں۔ جس کو ابو داؤد اور عبد اللہ بن ابی اور امام احمد اور امام بخاری اور داؤد بن ابی سب نے روایت کیا ہے، اور جو چاہے اس کی تحصیل گذر جائے لیکن امام مسلم نے اس حدیث کو ذکر نہیں

(۱) عند التمسك من الكلمات الدينية المأثورة التي قالها إمام الصوف محمد بن عبد الله القشيري رحمه الله تعالى بطرقه في تفسيره على التمسك بقرآنه“ (۲۷۰/۲)

کہا، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت لائے۔ (۶۸۸، ۶۸۹)۔ کہ لوگ کھلی جلدی بھول جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سبیل بننا لویہا کی جہادہ کی لہذا مسجد ہی میں ادا کیا ہے اور اس طرح امام شافعی نے "اسنن الکبریٰ" میں (۶۳۹۰) میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ان دونوں اشخاص امام مسلم اور امام شافعی کی فقہ کا تقاضا تھا، جب کہ امام احمد اور نے پہلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی اور پاب کے اختتام پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی۔ (۵۳۷-۵۳۸) اور بھی ان کی فقہ اور اختیار کا تقاضا تھا۔ جب کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس کے برعکس کیا اور تہیب کو ثابت دیا پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی اور اختتام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی اور یہ بھی تصریح کر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آخری ہے تو یہ امام ابن ماجہ کا موقف اور اختیار ہے۔ لہذا جو ابن ماجہ میں نے اپنی فقہ سے صحابہ کی اجماع اور تفسیر آخر فقہاء کی تفسیر سے اولیٰ اور افضل نہیں۔ یعنی ابن حنفیہ، مالک شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے جیسے صحابہ کرام فقہاء کی اجماع میں تھے اور امام صاحب المصباح نے افضل اور اولیٰ ہے۔ امام ترمذی کا قول فقہاء کے بارے میں گذر چکا ہے کہ "تفہدوا احکم مدعیان الحدیث" فقہاء حدیث کے معانی سمجھنے میں سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور انکی وضاحت میں کوئی دشمنی کو بھی ہمت نہیں ہے۔ مثلاً اس حدیث کو جو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا کسی علمی ترجیح کے لیے دلیل قرار دینا دوسرے حکم شرعی پر کسی کی دلیل اور روایت کے رد و حدیث کو بھی نہیں، کیونکہ یہ تو درحقیقت امام بخاری کے حسب اور احتیاج کی ترجیح ہے جنہوں نے اس مسئلہ میں وارد احادیث میں سے کسی حدیث کو اپنے اجتہاد کے موافق یا اپنی روایت کو یا تو اس کو اس دوسرے مذہب کی مستحیٰ حدیث پر جو حدیث بخاری نہیں اور اس مسئلہ کے بارے میں دوسرے کسی طرح ترجیح دی جا سکتی ہے یہ ترجیح بھی نہیں اور بخاری کی یہ روایت کو مرجع مانگنے والوں کے خلاف ہے۔

امام حدیث کے سمجھنے میں اگر سب کے اختلاف کے اس وسیع میدان میں ایک فقہی

مسئلہ میں ان کے اجتہاد کی صحت اور بخاری کا اعتراف لگا جا سکتا ہے اور یہ اعتراف لگتا بھی مشکل نہیں کہ جو اسے آخر علم و اہل کے سمجھنے والے معیار تک پہنچے اور یہ کہ یہ علوم حدیث کے ایک گوشہ اور ذائقہ کے مکمل ابتدائی مرحلے ہیں جو زیر بحث ہے چاہے کہ مجتہدین کے دوسرے علوم کے گوشہ یا عالمی اور ذائقے عالمی اور اگر انہی اصول علوم کے وہ جواہر اور ابواب جس سے ابھی پردہ اٹھایا نہیں گیا آگے صحت کے طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو شہرہ ہائے علمی کی جگہ غالب کشائی کر دیں مگر اس سبب حالت کے اختتام سے قبل ایک روایت ذکر کروں گا جس میں اختلاف بھی کچھ ایسا مشہور نہیں عداک علماء اس کے بیان میں متعلق تحقیقات کے لیے علم اہل نہیں تھے مسئلہ ہر صورت کے اول کا جزء ہے یا نہیں؟ سوائے سوائے ہر حالت کے اور مقتدی کا امام کے کچھ قرأت کرنا اور روایت میں جانے ہوئے اور روایت سے اچھے ہوئے رتبہ یکن میں متعلق رسالے لکھے گئے اور مرکز الآراء بنے۔ میں نے اس مسئلہ کو اس لیے اختیار کیا کہ یہ چند مسائل کی جامع روایت ہے اور ایک مسئلہ میں حدیث سے استدلال میں اختلاف واضح ہوا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح مسلم کی شرح (۸۰-۸۱) باب استحباب خضاب الخشب مصدقہ لو حصرہ و طرعاہ بالسواد کے تحت مذہب شافعی کا موقف بیان کرتے ہیں، یعنی سفید پالوں کو زرد یا سرخ خضاب کے مستحب ہونے اور سیاہ خضاب کے حرام ہونے کے بیان میں یہ باب قائم کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"ہذا یعنی شافعیہ کا مذہب ہے کہ سفید پالوں کو زرد یا سرخ خضاب سے رنگنا

مستحب ہے اور اگر روایت کیا کہ سیاہ خضاب کا حرام ہے۔

اور اصل کے کیا کہ اگر سب متفق ہیں ہے اور انی قول کریم کو ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کے "مواہب السواد" سیاہ خضاب سے کچھ اور کیا ادا مذہب ہے۔ خاص میں فرماتے ہیں کہ سفید پالوں کو زرد یا سرخ خضاب سے رنگنے کے بارے میں اور اس کی ان میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ خضاب کا رنگ اور نہ لگانا افضل

نے جواب دیا کہ بھلا میں جانے یہ کون ہے، پھر فرمایا: میں نے کیا بیان کیا تھا، تمہارے اوراق میں سے تمہیں فقہاء ہیں، ہر ایک میں مسئلہ ہیں جن میں اے مجھے الگ الگ دینے دیں۔ تو میں امام ابو حنیفہ کے پاس آیا اور سنا کہ فقہاء علمائوں نے فرمایا کہ مجھے جس مضمون کا بیان وہ دن ملے کیا کیا؟ مجھے حدیث یہ بیان کی ضرورت نہیں ہے، لے اپنے وطن سے اور انہوں نے اپنے وطن سے کہ "مختصر صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اور شریکین سے منع فرمایا ہے" تو قاضی بھی باطل ہوئی اور شہداء بھی بھروسہ نہیں لائے، انہی کے پاس آیا اور سنا کہ فقہاء شہداء کو کھینچنے لگے، مجھے جس مضمون پر بیان دینا ملا، لے گیا۔ مجھے یہ امام بن مروان نے اپنے وطن سے دی، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ "مجھے مختصر صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دیا کہ میں یہ ہر ایک اپنی کا نام" کو بیان کروں، اس سے اس کے آواز کو سن کر آدمیوں میں یہ قسم منقولہ ہے کہ یہ وہ کہہ چکے، انہوں نے شہداء کو لے لیا، قاضی کہ اس شہداء پر ہم اس کو بیچتے ہیں، کہ اس کی وصیت جاری ہے (اور وہ دعا مطلب ہے کہ یہ اگر آواز دے، پھر حدیث کے اختلاف کرے، تو اس کی ہر بات ہم نہیں سمجھیں گے، وہ کہہ کر مختصر صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے "قلوا، لیس، اعلیٰ" قزوین۔ اسی کے لیے ہے جس پر کہا کہ اس سے پہلے اس نے اپنی تلقین نے اس حدیث کی رو سے علم لایا کہ حج ہاں ہو، اس کی اور شہداء باطل، یہ راوی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہر شہداء کے پاس آیا اور سنا کہ فقہاء علمائوں نے جواب دیا کہ مجھے جس مضمون کا بیان وہ دن ملے کیا کیا؟ مجھے مسئلہ یہ بیان کیا کہ امام بن مروان نے اس سے سنا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے مختصر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنی طرف لے لیا، اور میرے لیے حدیث یہ نکلی اس پر سنا کہ اس نے شہداء کی روایت دی تو قاضی بھی جان کر ہوئی اور فرمایا جانے

اور کی "۱۵۰

اصل حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام شہداء کو جان لینے سے بھی زیادہ آسان ہے، اور کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں سوال کیا جائے کہ آپ نے مفرد حج کیا تھا یا حج؟ قرآن؟ جب کہ ہجرت کے بعد یہ ضرور ہے آپ نے ایک مرتبہ حج کیا، اور یہاں آخری حج تھا، جس کو یحییٰ اللودری کا نام دیا گیا ہے، تو آپ کو سوال مضمون کرنے سے پہلے ایک حدیث یاد دہشتیں یاد میں نہائی ہائیں کی جس میں آپ کو ترک یہ پتہ نہ چلے کہ حج کی کوئی قسم آپ نے ادا فرمائی تھی، اور یہ سب کافی نہیں، اور جب قسم کسی بات میں اس کی مخالفت کرے تو فوراً احوال سے نکالے کہ فلاں امام نے یہ کہا، اس وقت یہ مکمل تہجد کا لہذا وہ تو حلال ہے کہ اس سے پہلے ہر وقت اختیار کو بھی میں دے دے، پھر تارا اور ہر فیصلہ نام فقہاء اختیار دے کر، بولتے پر کرتا ہوں، امام حاکم نے اس نوع کے تحت (ص ۱۲۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ کو بھیجے کہتے ہوئے جا رہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان کی مخالفت کی اور پھر کہا، امام ابو حنیفہ بن اسحاق (مروان بن قزیرہ ہیں) نے ان روایات پر اطمینان بخش کام کا حق ہوا کہ اسے اور ترجیح کا قول اختیار کیا، اسی طرح احمد بن حنبل اور اسحاق نے ترجیح کا قول اختیار کیا اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طرہ کار، اور حضرت امام بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کا قول اختیار کیا، پھر ان میں یہ کام جس میں انہوں نے طویل اور میرا مائل بھٹک گیا ہے، اپنے جملہ دن میں سمجھائی ہے، عیسا کہ خود حاکم نے (ص ۸۳) یہ کہا کہ وہ یہاں ابو الحسن اسحاقی کا قول نقل کیا ہے جو فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن اسحاق بن عمرو کے بیان کرنا مسئلہ حج کا سنا، اور کیا ہے تو میں یقین سے یہ کہتا ہوں کہ یہاں یہ علم ہے کہ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نہ اپنے ہجرت ان کر سکتے ہیں۔

میں کہتا ہوں (مؤلف کتاب) ابو الحسن اگر امام بخاری جو ان میں قزیرہ کے ہم عصر ہیں کی کتاب دیکھ لیتے تو نہ جانے کیا کیا اور کہتے؟
ابو حنیفہ نے جو بعضی میں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے اس کو ملاحظہ کیجیے

(۱) اس لئے کہ حدیث سے اس نے روایت کیا ہے، حاکم کی کتاب (مختصر حدیث) میں ہے جو وہ بن عمر بن ابی حاتم اپنے ہاتھ لکھتی ہے اس راوی کا متروک ہونا اس لئے کہ یہ اور مطلب ہے اسی (ابو حنیفہ) (ص ۲۲۳) میں یہ سن لیں گے کہ ہے۔

چوتھا سبب

علماء کا اختلاف سنت کے بارے میں ان کی مصلوبات کی وسعت کے تفاوت سے

اس سبب پر حکام کی ابتداء میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مکتوبہ کتاب "المراسلہ" (ص ۳۳-۳۴) میں تحریر شدہ مان کے ارشاد کو گراہی سے کرتا ہوں۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

"ہم کسی ایک شخص کو بھی ایسا نہیں سمجھتے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو فتح کیا اور ان میں سے کوئی فتح ہونے سے روک لی ہو۔ اس اگرچہ اہل علم کے علوم پر سنت کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ فتح کیا جائے تو تمام شیخ متبع ہو جائیں گی۔ اور اگر ان علماء میں سے ہر ایک کے علم کا ایک ایک گرد یا جیسے قرطبی کا حصہ سنتوں کا وہ دھبہ گا اور پھر اس سے چار بار وہ دھبے کے پاس نہ جھوٹے گا اور علم کے اعتبار سے مختلف طبقات میں تقسیم ہیں۔ بعض ان میں سے اکثر علوم کے جانتے ہیں اگرچہ بعض حصہ علم کا ان سے نسبت بھی ہو گیا اور بعض ان میں سے بہت ہی چھل علم سمجھتے ہیں، اس علم کی نسبت جو ان کے علماء دوسروں کے پاس موجود ہے۔"

اور اس معنی کو اپنے ایک اور قول سے مؤکد اور پختہ کر دیا ہے۔ (ص ۱۳۹) فرمایا:

"کہا وہ نہ کوئی شخص سنت سے چاہل ہوتا ہے یعنی اس کو سنت کا علم نہیں ہوتا تو اس کے پاس وہی قول ہے کہ جو سنت کے خلاف ہو گا، یہ مطلب نہیں کہ اس نے قصداً سنت کے خلاف قدم اٹھایا بلکہ یہاں تک کہ آدمی غلطی کا شکار ہو جائے اور اہل علم میں غلطی کر دے۔"

حافظ ابن حجر یہ امام ہذا پر صراحتاً "اسناد کا" (۳۶۱) میں فرماتے ہیں:

"میں مولانا کرام بنی اللہ رحمہ اللہ میں سے ایک سنی کو بھی نہیں جانتا، انھوں نے ائمہ اربعہ میں کسی بھی اہل نقل و نقل میں جرح نہیں کی کہ وہ اس سے کہہ سکیں کہ ان کو ایسا کہنا ہے جو ان کے بعد ان میں اس طریق عمل کی ہو کہ ان کے لیے ایسا لازم نہیں تھا۔"

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں^(۱):

"یہاں فقہاء کے کچھ حدیثی کرام میں سے وہ امام کو بھیجے گا کہ اس میں

امام کے بارے میں یہ بھیجیں کہ ان کو وہ چیزیں ملائی جائیں جو ان کے لیے ہیں۔"

امام حنفی نے "المنہج" (ص ۳۶) میں اپنے شیخ حافظ ابن حجر سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

"سنت میں سے کسی ایک بار کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کو فقہی کے ساتھ امام

ابراہیم رحمہ اللہ اور یا ہیں، ایسا ہی جاسا سبب اور ماحول باعث ہے۔"

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

"ہم کسی کے بارے میں یہ بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ تمام شیخوں کے پاس شیخ ہیں تو ایسا

کہنے سے وہ باطل ہو گیا اور جو یہ کہے کہ ان تمام شیخوں میں کوئی ایک سنت امت تک

نہیں ہے، وہ گویا یہ بھی جانتے ہیں۔"

لہذا کسی کے لیے یہ سمجھنا نہیں سہا ہے کہ امام کے بارے میں یا کسی اور کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ تمام شیخوں کا تمام سنتوں کا اس نے اعادہ کر لیا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور جیسے اہل تنقیح اور ائمہ حدیث کی تحقیق اور تلخیص کا اہل نقل و نقل کے واسطے ہیں وہ اس بات میں امام شافعی رحمہ اللہ سے متفق ہیں۔

اور سنت اور حدیث کے یاد کرنے اور اس کے بارے میں مصلوبات ہونے میں تفاوت اور اختلاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کو زیادہ حدیثیں یاد ہوں وہ اور اس کی بہ

(۱) راجع لحدیث میں حد۔

لبست اجتناب کا تقاضا کا زیادہ مستحق ہوگا، کیوں کہ کبھی کوئی شخص عداوت کے مظاہر میں دوسرے سے زیادہ ہوسکتا ہے مگر دوسرا اس سے ظہور اور استہزاء قوت میں بڑھ کر ہوتا ہے۔

اور دوسرا اجتہاد کی پہچان کی ضرورت میں جو حدیث کے بارے میں معلومات کا حصول ہے اس کو شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”دریغ الاسلام“ (ص ۱۹۸) میں لکھا ہے:

”مگر کوئی نہ کہے کہ جو امام عداوت کے ساتھ جان و مال و عورتوں کو ہٹا کر بے شرفی لگائی جائے خواہت میں کوئی جھوٹے ملے گا اور ملکی شرف کا مطلب ہے کہ اس کو عداوت کا علم نہ لگے اور اگر لگے حد تک بھی رہ جائے تو وہ اکثر ذہن بکھرے اور عداوت میں مغلطی کا عمل کا علم نہ دے گا بلکہ سببوں اور احکامات کا ہمارے لیے حجت ہے کہ مسائل شرع اور عداوت و روایات قرآن و حدیث کے حلقہ تکمیل ہیں کا اکثر غرض مشہور بہت ہی عوام اور اہل علم کے لیے ثابت ہے۔“

اگرچہ بعض لوگوں کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کوششیات ہیں جن کے بارے میں آگے نقل کر چکے کام کرنا گا اور جو خاص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہوگا دوسرے ائمہ کے بارے میں نہ ہوگا۔

حدیث شریف ایک جہت سے عقل اور صلاح اور دوسری جہت سے روایت اور اذکار الہی ہے۔ محدث اپنے شیعوں اور اہل سنت سے اولاً حدیث ملتا ہے اس کو نقل کرتے ہیں اور اذکار الہی کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اس کو اذکار کا نام دیا گیا ہے۔ جب محدث خوب روایت بیان کرتے گئے تو اس کی روایت کر دیا حدیث لوگوں کی نگاہ میں آتی ہے، جو ان کی کثرت نقل کا قوت نقل پر ایک دلیل ہوتی ہے اور جب روایت کے نقل میں مشغول ہی نہ رہے، بلکہ اس کے دوسرے مسائل میں تو بنفس اوقات کسی روایت کو بیان کر دیا تو اس کے نقل یعنی اقتداء حدیث کا الشرائع کی نسبت پر دلیل نہیں ہی سکتا۔ فقہان پر یہ کثرت ہے۔

مثال کے طور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور ہمیشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

خود ایک یہ بات مسلم اور مشہور تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر صدیق سے بڑے عالم تھے۔ اس کے باوجود ان کی روایات جو ہم تک پہنچی، کم تعداد میں ہیں ان سے یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکتا کہ وہ علمائے صحابہ میں سے تھے یا نہ تھے۔ تاہم یہ ثابت ہو کہ وہ سب صحابہ سے بڑھ کر عالم تھے، اور اس کے الگ صحابہ ہیں جو کسی اور محدث پر جان بول کے بھی علم کی وسعت کا اندازہ لیا جاسکتا ہے، اور یہ مسلم اور علمائے حقیقت روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر سے بڑھ کر عالم صحابہ میں کوئی اور صحابی نہ تھے۔ اور یہی حال حضرت عمر اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم انجمن کا تھا۔ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کا بھی اور تابعین اور جرح تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد اس حوالہ کی تھی، بلکہ خود امام مالک بھی کثرت روایت کا ثبوت نہیں ملتا جب کہ حدیث میں ان کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ امام شافعی، احمد رحمہ اللہ جو ان کے شاگرد ہیں کہتے ہیں: جب روایت کی بات آئی تو امام مالک کی مثال روایت ستارے کی طرح ہے اور وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث نقل کی ہیں۔ بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ”موسلا“ کے مقدمے کی شرح میں (اردو) ابن الجہاد کی روایت نقل کرتے ہیں کہ امام مالک نے ایک لاکھ حدیث روایت کی ہیں۔ یہی حال امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، دونوں احمد حدیث کتاب و روایت کی مائتہ شہرت کے حامل ہیں، دونوں کی کتابوں میں حدیث کی کثرت نہیں ملے گی۔

شمس بن لیث کہتے ہیں (تہذیب مہذب، ۳۴۸/۱) کہ امام لیث رحمہ اللہ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ آپ نے اپنی حدیث سننے سے پہلے حدیث میں نہیں لکھی، تو فرمایا کہ کیا ہو جو میرے پیچھے میں ہے وہ میری کتابوں میں ہوگی؟ اگر میں وہ سب کہو کتابوں میں لکھتا تو کتابوں میں وہ نہ رہ سکتی۔

امام ابن جریر کہتے ہیں: مجھے کوئی ایسی جگہ حدیث نہیں معلوم جس کو امام شافعی نے اپنی کتاب میں نہ ذکر کیا ہو، تو مراد وہ حدیث تھی جو امام شافعی نے نقل نہ کی تھی، نہ کہ مطلق حدیث۔ (کیونکہ حدیث آج باب فہرستوں سے ملتی اور سرورہ اخراجات سے ملتی تھیں نہ کہ حدیث کی کتابوں سے)۔

ایام تک صحیح معنی میں امام المعظمیؒ میں ہیں کہ:

”ہم سے حدیث وارد شد کے امام بنی ہند کے بارے میں روایات بیان کی گئیں کہ ان سے ہم چھٹا کیا کیا آپ کسی حدیث رسول اصل اصل علیہ وسلم کے بارے میں وہ مطالب اور مقام کے بارے میں کہہ سکتے ہیں امام شافعی اپنی کتاب میں مذکور ہے کہ: ”تو جواب دیا تھا“۔

اور امام مالک اور امام شافعی کا اس بارے میں حذر یہ تھا کہ انھوں نے غلو کو فخر و اجترار اور استغناء امام کے لیے قادیان کر رکھا تھا اور فقہ اور اجتہاد کے اصول عدول کرنے میں مشغولیت لے لی تھی کہ کثرت روایت سے باز رہا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو روایات حدیث کا علم نہ تھا بلکہ کثیر افعال اور قبیل الاماء تھے اور یہی اصل حضرت امام ابوحنیفہؒ و سلفہ نقول کا ہے کہ ان کو امام حدیث اور روایات کا علم تھا اور ادا کرنے میں وہ اس کثرت سے متعارف نہیں تھے اس طرح دوسرے محدثین کرام ہیں۔ جیسا کہ متاخرین علماء میں سے ابی عمر فیک استغناء کے جواب میں لکھتے ہیں، جس کے الفاظ علامہ حناوی کے ”الحوار والفتو“ (۳۴۷ ص) میں منقول ہیں کہ:

”میں ہرگز سوال کیا تھا کہ امام شافعی نے امام ابوحنیفہؒ و سلفہ کو قطعاً اور حصر و کتب میں لکھا ہے ”ہو لیس لغوی العصبیت وهو محرم لقطع والاحتساب علی فقہ روایت“ لیکن وہ حدیث شریقی نہیں اور ان کی غلطیاں یہ ہیں کہ امام حدیث بھی بہت کم کرتے ہیں، کیا یہ سچ ہے؟ اور کیا انہوں نے وہ بھی نہیں کیا ہے کہ ان کے سلفہ کی روایت کی مبالغہ کی ہے؟ مبالغہ ان ہر نے جواب دیا کہ ”نہی انہوں نے حدیث میں سے ہیں، انھوں نے وہی کہا جو ان کے پاس ان کے اجتہاد سے سنا تھا“ پھر پورے ائمہ کے ہر قول کو اختیار نہیں کیا تھا۔ محدثین کی فیک عداوت نے شافعی کی مبالغہ کی اور غلطیوں نے امام صاحب کے حالات میں ”تاریخ بغداد“ میں ایسے اقوال نقل کیے جو بعض عقول اور بعض مرد اقبال پر غصہ ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ طرز و روش کیا گیا ہے کہ ان کا یہ موقف تھا کہ وہ وہی حدیث بیان کریں گے جس کا انھوں نے سنے کے وقت سے ادا کے وقت تک کامل طور پر حفظ اور یاد رکھا اور اسی لیے وہ وہاں تک کہ کم بیان کرتے تھے اس سبب سے وہ قبیل اور روایت مشہور ہوئے اور حقیقت وہ کثیر روایات تھے اس قسم کی باتوں میں زیادہ الجنا لیکر نہیں، اس لیے کہ امام صاحب اور ان کے ائمہ میں دوسرے محدثین ایسے تمام پر غلطی کے تھے کہ ان کی شان میں کسی کا ایسا کہنا بھی کوئی اثر اور وقعت نہیں رکھتا، بلکہ انکے اپنے نظام پر قیاد تھے اور اہل نقول نے ان کو یہ وقعت اور بلندی عطا فرمائی کہ متوسلین میں شمار ہوئے کہ ان کی اتباع کو امت اسلام کی اکثریت نے اپنی سعادت سمجھا اور اسی حقیقت پر متکا کر لینا چاہیے۔

اسی لیے حافظ ابن حجر نے ”مہندہ“ میں امام ابوحنیفہؒ کے حالات لکھتے وقت امام صاحب کے بارے میں ان کے کسی مخالف کا قول نقل نہیں فرمایا، اسی طرح رچل کے ماہر امام ہزی نے بھی ”تہذیب الکمال“ میں امام ابی نے ”المسیر“ ”تذکرہ“ ”تہذیب تہذیب الکمال“ میں ان کے حالات کا اس نام پر ذکر کیا۔

”ہمارے شیخ ابوحنیفہ ہزی نے بہت ہی اچھا کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے ان کا عہدہ متاثر ہو“۔^(۱)

اور امام صاحب کی علامت شان اور مقبلیت پر ایسے اور بھی شواہد ہیں جن میں صراحت کے ساتھ احمد حدیث نے امام ابوحنیفہؒ و سلفہ کے بارے میں توثیق و مدح کے بلند و بالا کلمات کہے اور حدیث فقہ اور اجتہاد پر ان کی اداست اور مہارت پر کبار علماء حدیث اور فقہاء کی کوئی اور تھمر چلی کے بعد کسی ایک امام کی ایسی بے قیاد و جرات کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ ان کلمات توثیق میں سے چند یہ ہیں جو شیعہ صوفیہ ائمہ اور سے نقل ہو چکے۔

امام زہریؒ کی مراثی نے ”فتاویٰ الحواضر المہمدہ“ (۳۷۱ ص) میں فرمایا:

"یعنی میں اصرار کیا ہے کہ میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گھر میں جو کتابوں سے گرا ہوا تھا، میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ فرمایا: "سب اسلامیت کی کتابیں ہیں اور اس میں سے میں نے بہت کچھ یاد کیا ہے تاکہ لوگ خاکہ لکھا کریں۔"

داخلی قاری نے ان کے مناقب میں "الملاحقۃ بالخواصر المصطفیٰ" (۲۲/۴۴) میں امام ابن حنفیہ کی روایت کی ہے کہ: امام ابوحنیفہ نے ستر ہزار سے اوپر حدیثیں ذکر کی ہیں اور کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا اور اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا حدیث میں اختصار (مکمل طور پر یاد ہوتا) کے بارے میں ایک واقعہ جس کو کسی ایک ماہی مذہب کے اصرار نے اپنے ایک امام ابوحنیفہ بن فروخ القاری کے حالات حدیث میں نقل کیا ہے، جو امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ہیں، جو اپنے فقہ مالکی میں مہتممین کے طریقے سے بہت متاثر تھے اور انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دس ہزار مسائل کیے تھے ہیں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"ایک دن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے مکان کے بالائی حصہ سے ایک اعلیٰ قاری نے میرے سر پر آ پڑی اور سر سے ٹولن بیٹے لگا کر امام صاحب نے اور فرمایا: "اچھا، تو حکم کی وجہ سے لگاؤ اور چاہو تو حق ہو احادیث سے لے لو، میں نے عرض کیا کہ میرے لیے حدیث بہت بھر ہے تو انھوں نے مجھے تین سو احادیث عاریں۔" (۱)

اور امام احمد بن حنبل کا یہ قول کتاب میں گنر چکا ہے کہ: جس کو چاہا لاکھا احادیث حفظ ہوں وہ اختیار اور توفیق کی صلاحیت رکھتا ہے اور امام صاحب کے حاصرین اکثر نے امام صاحب سے اختیار دار رجھو پر مہر تصدیق شیعہ کر دی ہے، بلکہ فقہ میں تو تمام لوگ ان کے ہی غرض ہیں۔ (یہاں کہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام

(۱) یہ فقہ مالکی نے "میسر شمس" (۱۶/۱۶۱) میں اور تاجی ہاشمی نے "میراب السعدیہ" (۱۶/۱۶۱) میں اور ابوالخیر نے "مستطاب الانصار فی مسند ابن خلدون" (۲۱/۱۶۱) میں نقل کیا ہے۔

صاحب اس حد کو پورا کر کے دالے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ کے حافظ تھے۔

ابن خلدون نے اسے اپنے مختصر مقدمہ علم حدیث پر حکام کے آخر میں یہ قول لکھا ہے کہ:

"امام ابوحنیفہ کہا کرتے ہیں علم حدیث میں تندرہ ہے، ان کے حاصرین نے

ان کے مذہب پر اختیار کیا ہے اور اور اقبال و ہون میں ان کے قول کا اقتدار کیا ہے اور

امام احمد بن حنبل جیسے محدث کی صلاحیت کے لیے اپنی بڑی قدر و مقام حدیث کی شہادت لگاتے

ہیں، ان اہل حکام میں شامل ہیں، اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں اور حاصرین ہیں۔"

اس طرح "مذہب" میں حدیث نقلی نے لکھا اور مولانا خضر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی

"کتاب" "تواریخ علوم الحدیث" کے (ص ۳۲۸) پر نقل فرمایا ہے۔

امام مالک بن انس بن مالک نے "مختصر روضۃ الباطل" کی شرح میں (۲۵/۳۳) یہاں

یہ مکرر بیان کیا ہے کہ میں اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے

"امام ابوحنیفہ کے بارے میں حاصل حکام یہ ہے کہ انھوں نے عمارا بھی

مستند کی احادیث میں بھی اور جہاں اختلاف کیا ہے وہاں ان کے اجتہاد کی دکان یا انکی

داخل ہیں اور ان کے دلائل تو یہ اور صالح ہیں اور ان کے دلائل کتابوں میں موجود ہیں

اور ان کے حاصرین نے ان کے ساتھ کوئی اضافہ نہ کر لیا، جب کہ کچھ لوگ ان کے

حدیث اختیار نہیں کرتے، یہ بھی ایک ذوق لاجد کا کام ہے اور اگر لاجد رکھ کر تو وہ ابو

حنبل ہیں ایک اجتہاد کا دوسرا جس کے نتیجے میں ان کے بعض رجحانیں کر کے دالے اور

حدیث کرتے دالے ہیں اور لاجد کے ساتھ سے قابل اور واقف ہیں اور جو آخری

کام امام احمد سے نقل کیا گیا ہے اس میں امام صاحب کی حقیقت اور طرفہ کی گئی ہے۔

اور اسے اصحاب میں سے اس کو لکھا اور نے "مستطاب الانصار" کتاب میں ذکر کیا

ہے۔"

علامہ صالحی شافعی "مستطاب الانصار" (۲۳/۲۳۸) میں نقل کرتے ہیں اور ابن حجر

مکی شافعی بھی "مستطاب الانصار" (ص ۲۳) میں ذرا تقریر سے نقل کرتے ہیں کہ

امام ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ کے مطابق کی تعداد معلوم کرنے کا حکم دیا تو تابعین میں ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچی اور پھر صالحی نے ان سب کے نام صرف چوالیسی کی ترتیب سے ۳۳ صفحات میں تحریر کیے اور یہاں پر عدد ہے جو امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی امام کے لیے نکل نہیں کیا گیا، انھوں نے حدیث کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا اور اور محدثوں اور ائمہ سال ۳۰ (۲۵۰-۲۶۰) میں ہے کہ:

”امام ابو جعفر رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں میں نے چھ سو ویت میں امام ابو حنیفہ سے جوامع لکھ کر دیکھا اور حدیث کی کتاب میں اٹھ سو ویت لکھا اور اسی وقت کے حال تھے۔“

اور امام ابو جعفر دہشتی ہیں جنہی کے بارے میں امام علم البیرونی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

”میں نے کہا، دہشتی ابو جعفر رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ حدیث میں مسموعہ کو کسی کو دیکھا ہے۔ دہشتی سے مراد وہ محدث ہیں جن سے زیادہ روایت کرتے تھے۔“

اور چونکہ کوفی ہیں انھیں نے ابو حنیفہ کا زمانہ نہیں پایا دہشتی کے لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے ابو جعفر کے بارے میں قویہ فرمایا، امام صاحب کے بارے میں کہاں نہ کیا؟ اور امام ابو جعفر رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”جب امام ابو حنیفہ کسی قول پر پہنچتے تھے کہ یہ حدیث ہے اور اسلام سے روایت فرماتے تو میں مطابق کوفہ کے پاس جا کر تحقیق کرتا کہ ان کے قول کی تصدیق کے لیے مجھے کوئی حدیث یا روایت مل جائے تو کئی کوئی دہشتی حدیثیں لکھ کر یا جہنم دہشتی سے لے کر حدیث کے پاس حاضر ہوتا تو حدیث کے بارے میں فرماتے یہ حدیث صحیح نہیں یا غیر معروف ہے۔ میں عرض کرتا کہ آپ کو کچھ معلوم وہاں آپ کے پاس آپ کے قول کی تائید میں کئی ہیں؟ اور ان فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم سے واقف ہوں۔“

اور کوفہ کا علم کا گہوارہ تھا جس میں چند سو سال پہلے کہ امام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور

انھوں نے کوفہ کو علم سے مجرور یا بکمال بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱۰) کوفہ کو صرف محدثین مسود رضی اللہ عنہ ہی کے علوم سے مجرور یا تھا۔

امام سرخسی رحمہ اللہ توفیق المسود (۱۶-۱۸) میں اسی مسود رضی اللہ عنہ کے حکام (جو آج کے آراء ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں، کوفہ میں محدثین مسود رضی اللہ عنہ کے اور گرد چار ہزار شاگرد ہوتے تھے جو ان سے علم حدیث اور فقہ حاصل کرتے تھے اور روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن مسود رضی اللہ عنہ اپنے خلافہ کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلے، انھوں نے اس جم غفیر کو جس نے اہل کوفہ کو لیا تھا، دیکھ کر رونا شروع فرمایا، اس شہر کو تم نے علم اور فقہ سے مجرور یا کیا ہے اور مستعد (۱۹) میں محدثین مسود سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے خلافہ کو منع فرمایا اور اور فرمایا کہ اللہ کی قسم آج کے دن میں حجاز سے مدینہ میں اسے نہ لے کر آئیں، اور فقہ اور علوم قرآن میں مسلمانوں کے افضل ترین علماء موجود ہیں۔

کوفہ میں علم کا چھوٹا علم کی ایسی کثرت تھی کہ جو لوگوں اہل علم بھی کثرت پائے جاتے تھے، جیسا کہ مشہور ہے کہ امام ابن سیرین جو اہل مصرہ میں سے تھے اور شاہ فرماتے ہیں:

”میں نے یہاں اس حال کو دیکھا کہ کوفہ میں زیادہ لوگ نہ تھے۔“

اور ابو نعیم (۱۵۰-۱۷۰) محدث کبیر الامم کے حالات میں لکھتے ہیں جو کہ کوفہ کے رہنے والے تھے کہ مجھے حسیب بن ثابت نے بحال کوفہ میں سے تھے، کہا اہل کوفہ اور اہل کوفہ کا کازہ علم کچھ ہیں تو اہل کوفہ کہنے لگے کہ:

”تم اہل حجاز کی طرف سے ماعزہ کی مانند تھو اور میں اہل کوفہ کی طرف

سے ہمارا کوئی طرف بھی تو نہ کرنا کہہ کے اس کے ساتھ میں ہم کو نہ دیکھ سکتی کہوں گا۔“

امام حاکم نے اپنی کتاب ”معروف علوم الحدیث“ (۱۳۰) میں ۳۹۰ میں تو ج کے

اول میں لکھا ہے کہ علوم کی بنا پر اختلافات کی معرفت کے بارے میں ہے جو مشہور تاجیوں
یا جہت تاجیوں تھے جن کی امامیت کو جعفر اور رضا کو اور عمر کے لیے اور شرقی اور مغرب میں
ان کے دیگر سے جھگڑ حاصل کرنے کے لیے ایجاد کی جاتی ہیں، تو یہ منہورہ سے چالیس
راویوں کو ذکر کیا، اور اہل کسے سے انکس راویوں کو اور اہل کوفہ میں سے دو سو ایک راویوں کو
جس میں امام ابوحنیفہ بھی شامل تھے۔

اور المستدرک (۱/۱۸۸) میں "ما يحتاج الا یولی" کی روایت کو ذکر کیا اور عقیدے
کہا ابھرا اتفاق سے یہ روایت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاصل ہوئی، اس کے علاوہ بھی جن کا
ہم نے ذکر نہیں کیا، اور جس کا ذکر نہیں ہوا اس میں ابوحنیفہ نعمان بن حارثہ دماضہ بھی ہیں۔
امام ابوحنیفہ نے اہل کوفہ کا علم قرہ حاصل کیا اور دوسروں نے اس کی تصدیق کی امام
بخاری کے ساتھ دواؤں مشہورہ میں سے چلی بن آدم کہتے ہیں کہ:

"روایت میں تھا کہ دوسروں نے اہل کوفہ کو ان کی جماعت میں بھی شیخ اور دوسروں
آیات ہیں اور نعمان ابوحنیفہ نے اپنے شیخ کی امام امامت کو کتب کا توالی حدیثوں کو کیا
جس پر اختلاف صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی، ان کے تالیف امام تک میں پر عمل
نہ ہوا، اور اسی امامیت کا عقیدہ کہ امامان امامت کی معرفت اور جہت کے حامل تھے۔"

(کتب الاسرار للعلامة البحاري ۱/۱۶۹) اور چلی بن آدم کو بخیر بن
شعبہ نے عقیدہ اللہان کا لقب دیا تھا، اور مشہور اعلام اللہان میں (۱۸۹۱) پر
مقالہ سے روایت ہے کہ:

"وہ اپنے زمانے میں ائمہ میں بیکارہ درکار تھے، اپنے عقیدے کی شہادت صوری
بات تھی۔"

اور بخاری نے اپنی سنہ (۱/۱۱۱) میں حسن
بن صالح کا یہ قول نقل کیا ہے حسن بن صالح تھے اور فقہاء اور عبادت گزاروں میں مشہور
ہوتے تھے انھوں نے فرمایا:

"امام ابوحنیفہ شیخ اور دوسروں کی تحقیق میں سب شیعہ تھے، اور جو حدیث حضور
صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے روایت ہوئی تھی اس پر عمل فرماتے اور اختلاف
کوفہ اور حدیث اہل کوفہ کے عالم تھے اور اہل کوفہ کے عمل کا اتباع کامل طور پر کرتے تھے
اور فرماتے تھے کہ اہل کتب میں اس شیخ اور دوسروں میں اور حدیث میں اس شیخ اور
مسنون روایات ہیں، اور ابوحنیفہ ابن امامت کے مالک تھے جن پر وقت تک حضور صلی
اللہ علیہ وسلم عمل فرما رہا ہے اس لیے ان کی امامیہ امامت سے کیا بھی طرح واقع
تھے اس وقت کے ساتھ اہل کوفہ تک پہنچیں۔"

اور جن احکام معمول بہا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس کی امامیت کا
ادلاء اس بات سے ملکا جاسکتا ہے کہ بخاری نے ان احکام پر قرار اور اختیار حاصل کیا۔
(اس لیے کہ اس کتاب ابن امامت کو مسنون کرنے والی حدیثوں آئیں)

امام زہری کا قول صحیح مسلم کتاب حوالہ الصوم والصلو فی شهر رمضان للمستدر
(۲/۷۸۶) میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام میں ائمہ میں سے کسی حدیث کی تلاش میں رہتے
تھے اس سے پہلے گذری ہوئی قدیم امامت کے لیے اس کو شیخ اور جہت سمجھتے تھے، چلی بن
آدم کے قول (مصرحہ علوم اللہ ص ۱۸۳) پر غور کیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے
بعد کسی اور قول کی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ سنت نبوی والی کبرا
مقرر اس لیے کہ یہ عبادت ہو جائے کہ آپ وفات تک اپنا استقلال پر قائم رہے اور امام ابوحنیفہ کا
علم اپنے شیخ کو کوفہ کے علم تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ ان کو کوفہ میں کی امامیت پر عمل ہوا اور
معرفت حاصل تھی اور ان دونوں کی بات امام صاحب نے جب کوفہ چھوڑ کر آپ نے ذکر کر رہ
میں طویل قلم فرمایا۔ کوفہ چھوڑنے کی وجہ حاکم بن محمد بن عمر بن مسعود کا آپ کو منصب لقا
قول کرنے پر امر تھا، جب کہ آپ نے صالح انکار فرمایا اور اقبال سائی "مقدود
الزمان" (ص ۳۱۲) پر ۱۳۹ ہجری کا واقعہ ہے اور آپ کوفہ اس وقت واپس آئے جب کہ
خلافت ابو جعفر منصور کے چہرہ ہوئی اور یہ ۱۳۹ ہجری کا واقعہ ہے اور ایک ایسے صاحب علم اور

چوتھے سبب پر وارد ہونے والے تین شبہات

اختلاف افکار کے اس سبب کے بارے میں تجویزات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن کو نقل کر کے آگے میں ان کے جذبات بھی لکھوں گا، لیکن اس موضوع کو شروع کرنے سے قبل میں ایک اور سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض لوگوں کو پریشان کر سکتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ اس سبب کو آخری سبب کیوں قرار دیا گیا؟

اس کا جواب ہے کہ میں نے قصہ اور جان بوجھ کر اس وجہ کو سب کے آگے نہیں رکھا ہے اور مجھے اس بات کا اگلی طرح علم ہے کہ مجھ سے لوگوں کی قربات میں یہ سب اول اسباب کے طور پر اور لوگوں کی دنیاؤں پر بھی بہت کمزور ہے اس کا ذکر کرنے میں آگاہی اور وجہ کی اپنی سے کوئی سوال کرتا ہے کہ اس حدیث پر فلاں امام نے کیا عمل نہیں کیا؟ تو ایک مسئلہ جواب ملتا ہے اور یہ کہ حدیث صحیح نہیں، ہاں اس حدیث کا طرمی نے رد کیا، اگر طرمی اور جاثقہ ضرور اس پر عمل کرتے ہیں کہ حدیث نبویؐ کا طرمی کی ایک حدیث کے کسی کی بات نہیں کی؟ بات دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے ایسا کرنے پر بد باتوں کی وجہ سے یہ حدیث جواب دیتا ہے۔

اول۔ یہ کہ ان لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے افسانہ تواریخی کتابوں کا مکمل طور پر مطالعہ نہیں کیا۔ تاکہ ان کو کم از کم اتنی دلیل ملے کہ واقعی امام صاحب کس کس لحاظ سے روایت کا چرچا کرتے تھے۔ اس لیے اس کے خلاف کو اختیار کر لیا۔ بلکہ بعض تمام بارہا دلیل علم کے بارے میں تو قیاس کے یہاں تک مناجہ کر کے دے رہے تھے جن کو امام صاحب کو مشہور حدیث ۳۷ ص ۱۸۰ لا خلاصۃ الکتاب کا بھی علم نہ تھا۔ وہ آپ کس حدیث کے کو اپنی مشہور اور مشروح مستدرک میں دھونڈ رہے تھے کہ جن اور مستدرک کی حقیقت سے اول سے دوا کی بار بار تبلیغ سے راست ہو چکی ہے۔

ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ محقق محمد علیہ اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم الوصول بشرح معالم السورۃ الاسویٰ (۳-۴۹۹) میں جنس مقام پر دو حدیثیں منقولہ الفقہاء کی ہیں۔

بحث کرتے ہیں کیا کھانا ہے کہ انعام فرما کر اٹھاتے ہیں کہ یہ حدیث انعام جو حنفیہ کا گھٹا ہے کچھ اور انعام
الخرمین نے بھی یہ تصریح کی ہے اور کچھ جہتوں کے لیے کہ کھانا انعام ہے کیا یہ سب
کہہ کر ان جہتوں کے لیے سب سے زیادہ حقیقت کی دلیل ہے کہ ان کی یہ حدیث بھی انعام جو حنفیہ سے
مختلف تھا کی سند میں ملے کہ ہے میں (مسائل) کہ انہوں کی بات بھی یہی ہے۔

یہ کتاب افواج میں جو بحث کیں، محمد عابد سندھی کی مستدام کی ترتیب میں آخری حدیث ہے جس کی شرح محمد حسن سنہلی نے تصنیف انعام (ص: ۱۳۷) کے نام سے اس کی سند کو دل جان کیا ہے۔ رواہ ابو نعیمہ عن شیعہ حماد بن ابی سلمہ عن ابراہیم النخعی عن الأسود بن زید عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور یہ استاد مسلسل ہمارے انتظامیہ ڈائریکٹر مولانا محمد رفیع الدین صاحب ہیں۔

معجم الترمذی، الامام ابی بکر الاصل (۳۲۰-۳۲۹) میں حضرت امیر
الطریقہ مسعودی سے روایت ہے کہ جب تک اس حال میں کرے کہ وہ مٹی ہو تو اس کو نہ دے کہ لوہا
پا پے اور سفیان ثوری نے کہا کہ ہر ایک مٹی کہے جسے اس شخص کو دینا چاہتے ہو یہ
فرمانے کے بعد سفیان ثوری ہر ایک مٹی کے اس قول پر جواب کر کے کہتا تھا ان سے شخص ہی
فرمانے کے کہا تھا اب ہر ایک نے یہ حدیث نہیں سنی کہ مٹی آدمی کا روزہ کچھ ہے، سفیان کہتے
تھے: کیوں نہیں سنی؟ ہم نے حجاز سے جانا کیا وہاں سے ہر ایک مٹی نے، انھوں نے اس
میں حاکم، ہر ایک مٹی ہی کے ساتھ سے سفیان ثوری نے اسی وقت کہا، ہر ایک مٹی کو یہ
حدیث پہنچی اور انھوں نے اس کو جان بھی کیا۔ آپ نے دیکھا کہ مصلیٰ اس میں ہر ایک مٹی
کے بارے میں کہہ دیا کہ شاید ان کو یہ حدیث نہیں پہنچی مادی وقت اس کی مٹلی ظاہر ہوئی
ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرتی چاہئے اور کوئی یہ کہے کہ ہم نے امام ابو حنیفہ کی تمام
کتاہیں کا پانا استیعاب مطالعہ کیا اور طوبہ! ابھی خرچ تلاش کے بارہ ہزار میں ان کی کتابوں
میں یہ حدیث نہیں ملی، تب بھی اس کے لئے یہ گناہ نہیں مٹی کی کتاب میں ذکر نہ ہونے
سے اس کے طعن کی بھی گئی کہ، کیا ابھی اس کی کوئی گنج گنجی ہو یا گنج مسلمہ میں کوئی گنج

لاخلاف حدیث کو کھالی کرے اور اول سے آخر تک دونوں کتابوں پر چڑھ اے اور ہر مکتبی حدیث سے لے کر آپ پر لکھیں کہ کتنے کان دونوں اثر کو اس حدیث کا علم تھا، کیوں کہ انھوں نے اس بات کا احترام ہی نہیں کیا کہ وہ ہر مکتب سے حدیث کو کتاب میں ذکر بھی کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ جب میں قرآنی ہے کہ امام ابن حنیفہ سے اس حدیث کے علم کی نفی بغیر کسی دلیل جلت اور برہان کے ہو اس میں تیر چارے کے سوا اور کیا ہے؟ مسلمانوں کے سامنے بڑے امام پر ایسی اثر امر قرآنی کیسے برداشت کی جائے؟ کیا اس الزام لگانے والے کو خود امام ابن حنیفہ نے یہ کیا ہے کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ ہاں کیا تمہارے علم کی حقیقت ہوئی اور تم کس وجہ کی امامت پر فخر کرو؟

اس لیے اس سبب کو سب سے اول میں ذکر کیا کہ اسلام نے جو ادب سکھایا اس کے سب سے زیادہ مستحقین اثر اسلام ہیں جنھوں نے دین دلت ایک کر کے اس دنیا کی خدمت کی اور وہ امت کے محبین ہیں، کیا اسان کا بدلہ دیا جاتا ہے؟ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اسنے بڑے صاحب کو ایسی حدیث کے بعد علم کا الزام نہ لگائے جس سے یہ مضمر یا قس علم ملے یا خیر ہے۔

امام بخاری نے مناقب شافعی (۱۵۲۲) میں کیا امور دیا تھے ہے۔ فرمایا کہ:

”سید بن احمد مری کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کی مجلس میں حاضر ہوا اور ہم کی سنت پر مذاکرہ کر رہے تھے تو ایک شخص نے امام احمد سے کہا کہ اس مسئلہ میں کج حدیث ملے گی تو امام احمد نے جواب دیا کہ اگر کج حدیث ملے گی تو امام شافعی کا قول تو مانا جائے اور ان کی دلیل اس مسئلہ میں مضبوط قرآنی دلیل ہے۔ اور ہر اس شخص کو اپنے قصداً کہ امام شافعی درود ہے جب کوئی قول اختیار کرتے ہیں تو ان کے پاس سنت سے دلیل ہوتی ہے بلکہ کج دلیل ملے ہوتی ہے اور کج دلیل کس سے؟“

علم حدیث کے مسلم امام احمد بن حنبل جیسے قائد حدیث سے امام بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے سوال کیا کہ ان مسائل میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو

انھوں نے مسئلہ کا جواب دیا، میں نے عرض کیا کہ اس بار میں حدیث کا کتاب سے کوئی دلیل ہے تو انھوں نے اسی دلت ایک حدیث نکالی جو مسئلہ کے اثبات میں ایسی قویٰ نظر آتی کہ دوسرے کی حق کا اس میں دخل ہی نہ رہتا۔

یہ امر کے ساتھ امام احمد کے ادب کا معاملہ تھا، ہر مسلمان کو بطریق قرآنی ایسے ادب اور احترام سے آراستہ ہونا چاہیے۔ ان کے ساتھ امام احمد کا ایک اور ادب ملاحظہ ہو جلد اتحاد بیب (۲۲۶) میں اصحابی بن اسماعیل کا خلافتی شکستہ راجوں میں سے ہیں جن کی تعریف خود امام احمد بن حنبل سے منقول ہے امام احمد کو یہ بات پہنچی کہ اصحابی نے مشہور امام حدیث عبد الرحمن بن مہدی در حدیث کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہہ دی ہے۔ امام احمد اس پر فحشہ تک ہو گئے اور ان سے کہنے لگے کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ بدانت و دشوار سے لے کر تمہارا ان سے کیا واسطہ ہے؟ تم کو کیا حق ہے ایسے اثر کے بارے میں مانگہ کہنے لگا۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کو شخص اللہ کے اقرار پر ختم کیا جائے جو اس سلسلہ میں ان سے حتمی ہیں۔

امام ابو اسحاق اصفہانی مکی (الوفی ۳۰۳ھ) اپنی کتاب الکمل (ص ۳۰۲-۳۰۸) میں فرماتے ہیں:

”جو کجا احادیث کی نقل اور صحت احادیث کے بارے میں کسی نے یہ سبب نہیں کہ اس کی خبر کو روایت کی گئی تھی تو اسے کہنے لگے۔ اور حدیث کے کوئی اور شخص کو کسی سماع، اور عام علم میں استعمال و ذکر سے گراں دلت سب اس کے بارے میں پر علم حاصل کرتے۔“

اور وہ علم روایت حدیث اور طرق احادیث کے علاوہ دوسری قسم کا علم ہے، علم فقہاء سے دریافت کرنے اور حدیث کی معرفت کے ساتھ اثر کرنا کہ اس میرت اور اسلوب کی معرفت سے آتا ہے، کیوں کہ حدیث میں خارج اور موضوع دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں اور موضوع کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔ اس لیے کہ وہ موضوع ہو سکتی ہے اور حدیث کے ایسے معانی

تک کوئی دلیل نہ پہنچی تھی جس سے اس لیے ایسا نہ کر سکتا تھا۔ اس مسئلہ میں ان سے کوئی چیز نہ ہوگی اور دوسرے میں بھی کوئی اور فرق کا شائبہ نہ ہوگا اور اسی طرح تیسرے مسئلہ میں بھی کوئی ایسی بات ان سے صادر نہ ہوگی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دلیل یا استدلال میں کوئی غلطی تھی۔ اس کا حل اور حلِ حق یہ ہے کہ خود دلیل میں غور کر لیا جائے تاکہ ہم کو اطمینان ہو جائے۔

جواب: کسی امام سے خود ہی بہت کوئی چیز پھوٹ گئی تو ان کے اصحاب نے اس کا استدراک کیا اور ان کا نسب پہلے سے مضبوط دلائل سے مزین ہو کر کامل شکل میں سب کے سامنے آ گیا جیسے امام ابوحنبلہ و سلفہ اہلِ اہلِ اہلِ اہل کے شاگردوں میں امام ابوحنبلہ اور امام احمد بن حنبلہ کے شاگردوں میں سے امام حنفی اور بڑھتی ہیں اور امام مالک کے شاگردوں میں امام مالک اور ان کا امام ہیں اور اسی طرح امام محمد بن حنفی کے شاگرد ہیں اور جب اسلام کے عروج کے زمانے میں اور غیر انہوں میں چلنے والے امام مجتہد سے ایک قول یا حدیث کا حاصل ہونے سے دور کیا اور تو وہ غلطی ہو ضرور ہے اور غلطی میں کھڑا ہے۔ اسے تو اس بات سے سناں اور دلیلِ قطعی معلوم سے بھی نہ چلے کیا کیا حاصل ہونے سے وہ ہائے؟ اور جب چند نامور بائیں امام امام مجتہد تک نہ پہنچ سکیں تو اس دلیلِ مقدار کو کون کے خیراں بائیں کردہ مسائل پر غالب کر دے گا؟ یا غلطی کا تقاضا ہے؟ بلکہ عقل سے کام لیا جائے تو اس کل کو اس دلیلِ مقدار پر غالب کیا جائے گا۔ اس کے بجائے اگر ہم ایسا اسلوب اختیار کر لیں کہ اس میں حدیث کے خلاف مسئلہ کا نام کو علم و فہم اور انہوں نے مسئلہ کو بغیر حدیث کے بیان کر دیا اور دوسرے مسئلہ میں بھی وہی دلیل دیا اور اگر اختیار کیا جائے کہ اس مسئلہ کا حکم بھی خلاف ہے تو کیا ان کو ان حدیث کے خلاف ہے اور اس طرح امام مجتہد کے نام و حکام میں اس احتمال کو جاری کیا جائے۔ لہذا ہمیں اپنے لیے ایک مستقل اور حدیث اور حقائقِ عامہ کے خلاف ہے ایک حدیثِ قطعی دینا چاہیے اس لیے کہ اس احتمال کے جاری کرنے سے فرق ایک امام دوسرے سے کھول کر نہیں دیکھتا۔ پھر یہ احتمال تمام امور کے متعلق مسائل میں جاری کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ہم کو یوں کہنا چاہیے کہ امام مجتہد اس مسئلہ کی دلیل پر مطلع ہوا اور اس

دلیل کے متعلق کے مطابق اس نے اس مسئلہ کا حکم بنا دیا اور دوسرے مسئلہ کی دلیل بھی اس کے سامنے رد و رد کی طرح آئی تو اس کے مطابق فیصلہ کیا اور اسی طرح چاروں مسائل انہوں نے حل کیے۔ البتہ عقل کے مسئلہ کی مشکل آسان نہ کر دی۔ البتہ ایک جزوی مسئلہ کے تکرار کیا گیا ہے جو چاروں کی بہ نسبت ایک ہی مسئلہ ہے جس کی دلیل پر امام مطلع نہ ہوئے تو اس میں ہم دلیل کے حصول تک علم نہیں لگا سکیں گے اور یہ وقت اس ایک مسئلہ سے ان چار مسائل کی طرف ہرگز جھکی نہ ہوگا۔ جن کے دلائل کتاب و سنت سے واضح طور پر مستدل کیے گئے ہوں کیوں کہ اس ایک مسئلہ کے علاوہ ہر چار مسائل میں دلائل کے دلائل کی اطلاع اور حصول کا ہم کو علم تھا یعنی حاصل ہے۔ اس بات کا بھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہم اپنے قاری سے اضافہ کی امید رکھتے ہوئے اس اعتراض کے اعتراض پر دوبارہ دعوت فرمادیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بھی ہم کو ان امور مجتہدین کا بیان لے گا جو کتاب اللہ اور سنت کے خلاف ہوگا تو ہم پر اور جس کو بھی اس حالت کا علم پہنچے وہاں وہاں ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق ہے اس امام کے قول کو ترک کر دے۔ اس لیے کہ ان امور نے جمیع مسئلہ کا ماحول بنایا اور ان کے دائرہ علم سے بہت ہی متنبہ اور بہت سارا علم خارج ہے اور ایک صورتِ علامہ کوثری کے کام سے لیں کہ اس موضوع سے کلام کو ختم ہونے میں ہی حالتِ مجتہد ہوں۔

علامہ کوثری (رحمۃ اللہ علیہ) کتاب "الطریقۃ" کے مقدمہ (ص ۳۳) میں لکھتے ہیں کہ:

"امام ابوحنبلہ کی اس میں مسائل کی تعداد اور بھی واضح نہیں ہے۔ لہذا ان کو

قرض کر لیا گیا تھا کہ اسے بقول کے مطابق چاروں مسائل میں مسائل کی دلیل ان کا معلوم

تھا۔ اس میں ہم حدیث کے سامنے اس کی کیا نسبت دہاتی ہے؟

ابوحنبلہ شافعی کی تاریخ (۲۴۴ھ) میں مذکور ہے کہ:

"امام ابوحنبلہ نے ہر چار مسائل کے خلاف ہے۔"

اور ظہری "کلامہ" (۱۹۸ھ) میں فرماتے ہیں کہ:

”اگر ہوا زانی نے اپنی ہزار سال کی تھکے ہوئی لہجہ اپنے مافقت سے ہے۔“

الہامی طبعی جو ایک صحت ہیں اور لہجہ کے نام نہیں فرماتے ہیں کہ:

”تمہیں لہجہ سے بھی گھبراؤ کہ سرائی کے عجب ہے۔“

اگر آپ سطلانی ”لہجہ کتبہ شادرات“ (۱۸۵۷ء) میں لکھتے ہیں کہ:

آسمانی نے کہا کہ:

”میرا عروبی اطلاع جو عروبیہ اور قرأت کے نام ہیں وہ ان سے میں نے آفرید کہ

سرائی بشر اور قرآن اور عربی زبان کے بارے میں دو دلائل کیے انھوں نے سب کے

جوابات اپنے دیکھتے ہوئے عرب کے قلوب میں ہوں۔“

دوسرا شبہ

دوسرا اشکاف یہ بتائیں کیا جاتا ہے کہ جدید بحث کی کتابیں آج کے دور میں بہت زیادہ قدیم کے کلمات سے چٹنی جاتی ہیں اور تحقیق کرنے والوں اور محاسنین کے لیے ان کا حصول بھی بہت مشکل ہے۔ ان سائینس کے زیادہ آسان اور سہل ہے اور پھر ان سے ۱۸۵۷ء کر کے میں بھی طبیعت اور لہجہ کے سبب جو مختلف اقسام پر مشتمل ہیں، حقدین کے استفادہ کی بہ نسبت زیادہ سہولت ہے۔ اب آسانی سے ان پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کوئی حدیث بہت دور تک جس کو اصل کے لیے اختیار کر لیا جائے؟ اور کوئی ایسی ایسی ہیں جو جگہ یا قیامت نہیں جس کو ترک کرنے میں کسی تردد اور تذبذب کا شکار ہونا مہم ہے؟ اور ان انعام علیہ کو جس کے گنج ہونے کے دلائل حدیث سے ثابت اور ان کو باقی رکھا جائے اور جن کے لیے دلائل نہیں ہیں اس کو چھوٹ کر الگ کر دیا جائے اس شبہ کا جواب بھی چند وجوہ پر مشتمل ہے۔

(۱) یہ کوہم نیاست اور حقیقت کی ایسی مثال ہے، جس کے بارے میں زمانہ قدیم کا

ایک شاعر پیش خدمت ہے:

و کلم للشیخ من کتب کمال

ولکن لیس بدی عاصحا

شع کے پاس بدی بدی کتابیں بہت ہی ہیں، لیکن وہ بدی نہیں کہ اس میں سے لکھا گیا ہے اور جسے کہا گیا ہے:

لیس علم ما حوی القمطر

ما العلم إلا ما وعاء القمطر

علم نہیں جو کتابوں کے قصبے یا صندوق میں بند ہے، علم تو وہی ہے جو پہنچے میں محفوظ ہے۔ ہمارے تمام علماء کا حال اس سے مختلف نہیں جس کو ابن حزم (۱) نے اشعار میں بیان کیا ہے:

میان تحرقوا القوماس لا تحرقوا القی

تصنہ القوماس مل هو فی صغری

بسر معی حیث استقلت رکابی

وہل لئ ازل وعلی می ضرعی

”اگر وہ کاغذ اور خط کو جلا دیں تو اس کو کس طرح جلا دیں گے جو میرے سینہ میں ہے؟“ جب میں سڑک پر ہوں تو وہ میرے ساتھ پڑا ہے، اور جب میں نہیں پڑا ہوں تو وہ بھی میرے ساتھ پڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ قبر میں بھی میرے ساتھ ہی دفن ہو جائے۔“

طیب کی کتاب ”القدیہ والقصہ“ (۱۸۵۸-۱۸۵۹ء) میں لکھا ہے کہ:

”بعض علماء نے کہا کہ انھوں نے بہت ساری کتابیں اکٹھی کر لی ہیں کہا کہ

کتبوں کی تعداد چھٹی صدی کی تعداد میں ہی ہے۔ حاکم نے کہا کہ ان میں کہا کہ ان سے بہت کم

کیا، یا تو ان کا علم سے کیا لایا گیا انھیں نے دوسرے سے کہا کہ ان کو جو کتابیں انھوں میں

پیدا نہیں اس لیے سے دوسرے کتابان میں تک جائے کہ وہ حقیقی ہو کر لے اور کیا تھا؟“

ان تھیں نے ”رفع السلام“ (۱۸۵۸ء) میں لکھا ہے:

”اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مدار کتابوں پر رکھا جائے تو جو کتابوں میں لکھا ہے وہ سارا کاسرا ایک عالم نہیں جانتا اور یہ تو کسی کو بھی غیب نہیں۔ بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کتابیں جو بنی ہمارے ہر جگہ اس میں ہے۔ وہ اس کے بڑے علم میں نہیں رہیں۔ بلکہ جو لوگ ان کتابوں کی کثرت سے پہلے ہو گئے۔ وہ وہ حال میں سے کہیں زیادہ حدیث کے عالم تھے۔ ان کی کتابیں اس کے چنے چنے میں تھیں جن میں ان دونوں سے ان کی کتاب زیادہ علم پایا ہوا تھا۔“

یہ انکی حقیقت ہے جس میں اس شخص کو کبھی شک نہ ہوا گا جو اس حدیث کو کہتا ہے ہمارے اندر لے آیا جو اس کے کہتے سے مسائل عدول کیے اور ایک بڑی مقدار ان کے میراث علم سے ہیں ان کتابوں کی شکل میں ہیں، لیکن یہ سب کچھ جو ان کے سنوں اور سالوں میں تھا اس کی نسبت بہت ہی کم مقدار ہے۔ جیسا کہ اگلی چند سطریں لکھیں یہیہ کے کام میں گذرا اور جیسا کہ حدیث میں سدا اور احمد بن الحارث کے کلام میں مذکور ہے۔

آج کے دور میں حدیث اور حدیث کی کتابیں میں سب سے وسیع اور بڑی کتاب کفر اصرار ہے جو کتب دینی کی تالیف ہے اس میں چھاپا نہیں چڑھ سے زیادہ احادیث ہیں مگر اس سے استفادہ اس اعتبار سے کہ اس میں نقل ہوتا ہے آسان ہرگز نہیں۔ کیوں کہ ان کے بہت سے مصادر کی طرف رجوع ضرور ہے۔ اور اسانہ کی تحقیق نہیں ہوتی اس لیے معاملہ ان کی اسانہ ہی ہوتا ہے۔

مگر اصرار میں جو تعداد احادیث ہے وہ اس مقدار سے اچھائی قابل ہے جو اسے مجتہد سے نقل کی گئیں انکی روایات جو انھوں نے خود میں جب کہ ان میں کمرات بھی بہت زیادہ ہیں، جیسا کہ چھپے گذرا کہ جو احادیث امام ابو حنیفہ نے ذکر کی ہیں وہ ستر ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ قطع نظر ان روایات کے جو انھوں نے ذکر نہیں کیں اور ان کی کتاب کا قول انکی گذرا کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث روایت کیں، یہ اس کے علاوہ ہیں جو انھوں نے ہی تو ہیں، لیکن روایت نہیں کیں۔

”اور امام احمد کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی سند کو سات لاکھ چھاس ہزار احادیث میں سے روایات منتخب کر کے اور چھانت کر ترتیب دیا۔“

قطیب نے ”السنن“ (۲۰۲ ص ۱۸۱) میں یحییٰ بن یحییٰ کی طرف یہ بات منسوب کی کہ ان سے روایت کیا گیا کہ ”کیا ایک شخص کو ایک لاکھ احادیث یاد ہیں تو وہ فتویٰ دینے کا اہل ہے؟“ اس طرح یہ چھتے چھتے جب پانچ لاکھ تک مسائل پہنچا تو فرمایا: میں امید کرتا ہوں۔ اس پر قطیب نے یہ تحقیق نہیں اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فتویٰ کے لیے وہ بیٹھے جو حدیث احادیث کے الفاظ کو یاد کر لے بغیر معرفت معانی اور خود و خوش کے، کیوں کہ علم اور حدیث کا نام ہے صرف روایات میں کثرت اور ترجیح سے وہ فتویٰ کا اہل نہ ہو گا اور اس کا نام لاکھ نہیں کر کے کہ اس بڑی مقدار میں ہر قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں، احادیث متوقف، موقوفہ اور متعدد اسانہ والی روایات اور اس میں یہ فائدہ ہے کہ موقوفات اور محدود احادیث میں الفاظ اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سے استفادہ اور فہم معانی میں بہت مدد ملتی ہے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ احادیث کی ایک بہت بڑی مقدار داخلہ اس میں ہر جگہ پائی جاتی ہے تو جس اختلاف کو ہم قہم کرنا چاہتے ہو وہ تو کچھ بھی قائم رہے گا جب تک اختلاف کے دوسرے اسباب موجود ہیں گے اور اس کثرت روایات اور سبب انھوں نے جو کہنا اختلاف کے پیدا کر کے میں دخل ہے وہ اس سبب دال کی بد نسبت بہت زیادہ ہے۔

ایک قصہ ذکر کرتا ہوں جس میں ہجرت حاصل کرنے والوں کے لیے سامان ہجرت موجود ہے اور ایسے بہت سے شخص اور بھی ہیں۔

ماہر حرزی نے ”حدیث الفاسل“ (۳۹۹ ص) میں یہ واقعہ بیان کیا ہے: ”ایک صورت تھ تین کی کہیں میں ہاتھ لگائی جس میں لکھی تھ تین اور ایک شخص اور قطیب بن سالم ایک حدیث کا ذکر کر رہے تھے حضرت نے ان کو یہ کہنے کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے ماہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان سے اس کو روایت کیا ہوا تھا ان کے علاوہ کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا تو حضرت

نے سوال کیا کہ کیا حاکم عدالت مراد سے کو حق ملے سکتی ہے؟ اور ساتھ قورمروں کو
 "حق" دینا بھی تو سب سے خالص انتہا کرنا اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک
 دوسرے کو دیکھتے گئے، اسے میں اوروہ آئے، ہر نے نظر آئے تو صورت کو کسی نے کہا
 سامنے آئے اسے اس شخص نے یہ چہرہ اس کے میں وہ صورت کے قریب آچکے تھے تو
 صورت نے بھی سوال کیا کہ سامنے ہوئی، اور پھر لے چاہا وہاں حاکم مراد سے
 "حق" دے سکتی ہے کیوں کہ جہاں میں آنا صحت کی صورت میں اس کا حق نہیں تھا
 جہاں یہ حد ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف دیکھ کر دیکھ کر فرمایا ہے
 فرما کہ جہاں نہیں تھا اسے دیکھ میں نہیں تھا، دوسری دیکھ حضرت عائشہ رضی اللہ
 عنہا کا یہ کہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک پائی تھے، دوسری دیکھ میں تھیں کہ
 حالت میں ہوئی تھی کہ نہ چاہا اس نے زندہ داری کے سر کو پائی تھے، اور قورمہ کو طرح
 اولیٰ دیکھا چاہیے۔ تو خدا کر کہنے والے کو ملے گئے، یہاں یہ حد یہ کو کلاں میں نے
 روایت کی ہے کہ ہم اس کو اس طرح یعنی انداز سے بچھا لیتے تھے اور اللہ کے ایک طرف
 اور دایہ پر بٹھ کر لے گئے تو صورت نے ان کا طلب کرتے ہوئے کہا: اب تک تم
 سب کہاں تھے؟ یعنی وہ سوال کیا تو سب کو ماب، تو کہہ کیا جواب، جب جواب کیا تو
 جان میں جان آئی اور روایت کا اجماع نکلا۔

امام کا حکم اپنے معاصرین اور متقدمین احمد حدیث کو جو ان روایت روایت کے لئے اور
 پھر اس کو ادا کرنے اور حدیث کے لئے دور دور کا سفر کرنے والے تھے، لیکن ان کی طرف
 زیادہ التفات اور توجہ نہ تھی، امام شافعی کی مصداقیت کی طرف رجوع دینا ایک مشہور واقعہ
 ہے تاکہ وہ امام شافعی کی صداقت اور روایت دلوں سے مستحضر نہ کریں اور جن کو امام احمد بن
 حنبل نے یہ روایت اور فقہی کش کی، وہ اپنے دور کے مشہور محدثین تھے، ان میں اسحاق بن
 راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ اور حنفی کی جیسے مشائخ وقت تھے جن میں سے ہر ایک مطلق حدیث اور
 استیعاب اور نقد رجال کے تمام کچھ جانتے تھے۔ (آداب الفقہاء و مسانفہ، ص ۴۳)

اور (مستدرك) فقہاء القیسی (۳۸۵ھ) کا مگر حدیث کی روایت پر اطلاع ہونا کافی ہوتا
 جیسا انکھات اسلام کے بعض معززوں جعفر بن ابی اسحاق کی روایت کی روایت کی نہایت
 ضرورت تھی، نہ قورمروں، بلکہ ان کو امام شافعی کے پاس کی صحبت کا کوئی منہ نہ پہنچ نہ
 ہوتا جب کہ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ امام شافعی و صحابہ حدیث کی تحقیق میں ان کی طرف
 رجوع فرماتے تھے اور میں ہوشیار فرماتے: "انکر کج حدیث ملے تو مجھے بھی اطلاع کر دو!"
 "انتم اعلم بالحدیث والرجال منی"۔ تم حدیث اور اس کے دلوں کا علم مجھ سے
 زیادہ رکھتے ہو۔ حدیث چاہے کو قورمروں کی ہو یا ہر دور امام کی، مجھے بھی بتادیا کہ حدیث کج
 ہونے پر میں اس کو اختیار کر لوں اور اگر ہم یہ فرض بھی کریں کہ وہ مجھ سے احادیث اختیار کی
 سلامتی کے لئے کافی ہیں، جیسا کہ انہیں یحییٰ بن عمر اور ان کے ہم عصر محدثین کے پاس کج
 احادیث کا اثر و نفیر تھا تو اختیار کی جا سکتی کے دوسرے شرائط کہاں جائیں گے؟ اور وہ کچھ
 کا تمام علوم اسلامی میں ماہر اور کمال حدیث و شریعت کی معرفت کا حصول و بغیر ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے انہیں اس وجہ سے کہتے تھے وہ انداز میں پیش کیا ہے جیسا کہ
 "طیبة" نے "العلیہ والصفہ" (۲/ ۱۵۷) میں لکھا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

"طیبة" نے کہا کہ یہ بارے میں کسی شخص کا اس وقت تک کوئی سادہ کرنے کی جادہ

نہیں، جب تک وہ کتاب حفظ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا کوئی زبانی
 ہونا نہ ہو کہ ان آیات کے ساتھ ہوتا ہو کہ اللہ میں جہاں ہو بھی ہو اور اس کے بعد
 حدیث و احادیث صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہ جانتا نہ سمجھتا، سب کچھ جانتا ہو
 ہو کہ قرآن آتے سے اس کا حاصل ہوا، نہ سخت اور شکر کی، نہ دیکھیں اور سوائی مطالب کا نام اور
 اور ان چیزوں کی خاص خبر یہ سمجھ کر کہ ان میں کوئی حدیث کی شریعت میں ضرورت
 پائی ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ انصاف پسند ہو اور کمال احکام اور امور میں
 رہنے والوں کے قول اور اصول کے اختلاف سے واقف ہو، یہ اس کا علاج کیا جاتا
 ہے کہ وہ رجال و رجال کے بارے میں کوئی سادہ کرے اور وہ سب کچھ سب شرائط کی میں د

جانی، یا بھی تو اس کا علم ہی میں کیا کہ جسے یا لائق دینے کا کوئی حق نہیں۔

اور انی مہدائے علم نے ان باتوں پر کچھ اضافہ بھی کیا اور وہ یہ کہ:

”مسند علی بن ابی طالب علیہ السلام کی سیرت مہار کا مفسر کا مفسر کا مفسر کرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصحاب پر نظر دیکھے جو انہیں جانتے ہیں اس باری ذات اور ان کا نام دین کے ساتھ کہہ کر مل جاتے ہیں اور ان کی سیرت اور ان کی صفات و احوال سے نقل کرتے دلوں کے اصول کا علم اور جو ان جانتے ہیں وہ سب سے سزا کے لائق کرتے ہیں سب کے ساتھ ساتھ ضروری ہے اس کا کہ جسے صحابہ اور اسلوب سے سزا و عقاب نہ ہونے پائے اور عدلی کو سیرت و صل سے ایک صوبہ کی جگہ نہ لیتا۔“

یہ علم و چال اور جرح و تعدیل ایک ایسا مسودہ ہے جس میں ایک طالب حدیث کی ساری عمر بھی لگ سکتی ہے جب کہیں جا کر اس کو حدیث میں بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

اس قسم کے مشروہ کا ذکر امام غزالی اور صفی اللہ نے بھی ”کشف محوول“ (ص ۶۶۲) میں کیا ہے اور کیا ہے کہ:

”فقیر الخس بھی دعا چاہے اور اصول کی کتابوں میں کسی عالم فقیہ کی اپنی تعریف جب کی جاتی تو اس کے لیے فقیہ الخس کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور مومنین فقیہ الہدی اور فقیہ الخس دونوں کو استعمال کرتے ہیں اور اس کی صفات یہ ہیں: اپنے امام کے مذہب کا حافظ ہو اور ان کے باری کرہ و روایں کو کہتا ہو اور اس کی تدوین کے لیے کتب پر نظر پڑے اور تدوین کی صلاحیت رکھتا ہو۔“

اور یہ صفات قبول امام نووی اور صفی اللہ چوتھی صدی تک ان طریقے میں بکثرت پائی جاتی ہیں جنہوں نے مذہب امام کو مروج کیا۔ میں کہتا ہوں (مؤلف) کہ یہ صفات علماء مرخصین کی ہیں البتہ جو صفت فقیہ الخس کی امام غزالی اور صفی اللہ نے بیان کی ہے وہ مجتہد مطلق کی صفات میں سے ہیں اور علم جامع ”میں امام نووی نے جو صفات بیان کی ہیں، اس لیے وہ مصطفین و مجرہ ہیں جنہوں نے مذہب امام، سمجھا اور مذہب کے احکام کی ترویج

و تدوین کا کام کیا، یہ صفات مرخصین فی الملہ سب کا اور امام غزالی نے تمامہ اس کا جو اصل مرتبہ کیا وہ مجتہد متقل اور مجتہد مطلق کا مقام صاحب ہے۔

اور مسودہ کے (ص ۱۳۲) میں اسی صوبہ و صفی اللہ نے ایک طویل فصل میں یہ عنوان ”من وجہ نہ الفقوی او الفصد“ قائم کر کے لکھے تو اور اور نووی کا انکشاف کیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے بیان میں جو غزالی اور صفی اللہ کی اہلیت دیکھتے ہیں اور خود انھیں صفی اللہ علیہ السلام نے اس پہلو کی اہلیت بتلائی ہے۔

طبرانی نے ”معجم الاوسط“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر کسی مسئلہ میں میں نہیں کوئی امیر امر اللہ فی شئ لکے کہ اس میں امر کا بیان ملے، تو انکی کا تو ہم کیا کریں فرمایا اس میں تمہارا اور عابد بنی سے مشورہ کرو اور کسی خاص شخص کی رائے پر عمل نہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے ساتھ عبادت کا بھی اہلیت دی۔

امام بیہقی نے ”سنن بیہقی“ میں عباد اللہ میں مسودہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی مسئلہ ملے جسے تو اس میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کرو اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرو اور سنت میں بھی نہ ملے تو امت کے صالحین سے مشورہ کرو اور وہ بھی خاموش ہو جائیں تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور یہ صحت کو کہ میں تو دانتا ہوں، میں دانتا ہوں اس لیے کہ حال بھی خارج ہے اور حرام بھی، اور ان کے درمیان جو تشبیہ و تمیز ہے اس میں جو تم کو شک میں لگے اس کو چھوڑ دو، اور اس کو اختیار کرو جو باطل اور اور اس کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی تردد باقی نہ رہے۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور پھر اسی حد سے مراد رضی اللہ عنہ کی کتاب جو خاص شرح کو اور سال کی بھی اس کو روایت کیا جس میں بھی مضمون صحیح اور شاذ قرار دینے کے لیے جو صوبہ حدیث اللہ علیہ وسلم نے جب بعض بنی طہارت کے فیصلوں پر تھک کر جو بہت قد دہائی ہیں اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں، تو کہا جنہوں نے اس کے ہم مثل لوگ باتوں کو عبادت کی

مشقت ادا ہے جس اور حدیث نبوی نے اس کو ملنا و آئین کی توفیق عطا فرمائی اور فرمایا کہ جنس نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق سے نوازا یہ جنس بنی غیارت بنی عیسیٰ کے ہم مسلک رہا جس میں اور امام یہ طریقہ کے شاکرہ ہیں۔

محمد ابوباب بن عبدالحکم اور ابی عیسیٰ بن عقیل کے اصحاب میں سے ہیں جن کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: صالح جنس ہے اور ایسے صالحین کو کبھی اور حق بات کی توفیق دی جاتی ہے اور پھر میں نے اس میں عقیل کی کتاب "ابورحمن میں چری روایت کی کبھی کبھی بن ابی ائینہ نے ان سے عرض و بات میں یہ چہا کہ آپ کے ابورحمن کس سے سوال کیا کریں؟ تو فرمایا محمد ابوباب اور ابی عیسیٰ بن عقیل نے کہا کہ وہ تو ائمہ جیسے عالم نہیں ہیں، فرمایا وہ صالح جنس ہے اور ایسے لوگ حق کو پا لیتے ہیں۔ لوگ طلب علم سے کل خوب عبادت کرتے تھے کہ علم ایسے حال میں حاصل کریں کہ ان پر فضیلت لازم نہ آئے کہ علم ہو۔

مطہان ثوری کا قول ابن ابی حاتم نے "مقدمۃ الصحیح والصدل" (ص ۹۵) میں نقل کیا ہے:

"کوئی جنس جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے جس میں برکت ہو۔"

تیسرا شبہ

ہم اس آخری سبب اختلاف کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ شبہ پیش کیا ہے اگر ہر جگہ کو سنت پر چسپی گرفت اور اہمیت ہوتی تو بعض ان میں سے کسی مسئلہ میں ضعیف حدیث سے استدلال نہ کرتے جب کہ اسی مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے پاس صحیح حدیث مل جاتی ہے اور وہ جب صحیح ملتا تو حدیث ضعیف کو چھوڑ دیتا یا علیحدہ معلوم ہوتا ہے کہ جس امام نے صحیح کے ہوتے ہوئے ضعیف سے احتجاج کیا ہے اس کو صحیح حدیث کا علم نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ کرام کے حالات اور سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سنت کا پورا اور کافی علم حاصل تھا بلکہ ائمہ مجتہدین کا صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے

ضعیف حدیث کا سہارا لینا جب کہ وہ اس کے خلاف بھی ہو اس حکم میں جبہ مطالعہ اور تحقیق سے ان میں برکت کیا ہے اور اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے چند محاکات کو پیش گذار کر دیا گیا۔ (تا کہ جو مطالعہ اس حکم کے ذریعہ دیا جاتا ہے اس کا اہل ہو۔)

چند محاکات

پہلا محاکہ: ہر حکم فقہی انہوں میں یاد کر لیا جاتا ہے، اور اسی امام کا حکم ہوتا ہے، لیکن جو امام حدیث فقہاء و استدلال کے طور پر اپنی کتابوں میں لاتے ہیں، وہ وہی دلیل نہیں ہوتے جو اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے امام مذہب نے اختیار کیے تھے۔ اس کی کبھی ان کی دلیل میں امام کی دلیل سے موافقت بھی مذکور ہوتی ہے، لیکن اس کو ہر اس دلیل پر چسپاں، یا ضعیف نہیں کیا جاسکتا جو خود امام نے دلیل کے طور پر اختیار کیا ہے، بلکہ مخالف کتاب کو کوئی حدیث امام کے مذہب کی تائید میں نظر آئی اور اس نے اس کو کھو دیا جب کہ امام کی دلیل کوئی اور ہوتی ہے۔ اور یہ صحیح یا غلط تھا کہ امام یہ طریقہ دھڑلے کے مذہب پر منطبق ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ خود امام ابوحنیفہ نے یہ حکم نہیں اختیار اور دلیل کتابوں میں بدلی نہیں کیے، اور یہی حال امام مالک اور امام احمد کا ہے اور امام شافعی اور مالک نے بھی اپنی مشہور کتاب "امام" میں بہت کم مقامات پر استیعاب سے حکم کیا ہے۔

مثال کے طور پر جو امام حدیث "چاہے" میں امام مرغینانی عقیل رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں اور "سردار" میں جو ابن ابی زید اختیار دانی، ان کی ہر "الحدیث" میں شریعتی ضابطہ ہے، اس کے علاوہ "الفتاویٰ لاس قلعہ" میں جو امام حدیث مذکور ہیں ان میں بہت ہی احادیث خود امام احمد اسب کے پر گزشتیں، اس لیے بعض لوگ کہتے تھے کہ خود امام حدیث کا اہل انھیں کرواتے ہیں اور کہتے ہیں: کیسے ہم ایسے مجتہد کا قول مانیں جب کہ اس کتاب میں دوسرے ضعیف اور متروک اور غیر مرفوع احادیث ہیں؟ جن میں دوسرے سے اختلاف کیا گیا ہے اور منظور دیا گیا کہ غیر مرفوع اور متروک قرار دیا گیا ہے۔

اس بات پر دلیل کہ ہمارے فقہاء نے اس راہی کیا ہے، امام ابن الصلاح نے مقدمہ

(ص: ۱۵۰) میں حدیث کی کج بحث کے اثر میں افکار و اراکے کے عقائد سے نکلا ہے کسی حدیث پر عمل اور اس سے اعتدال کا طریقہ یہ ہے کہ ایسا شخص جو حدیث کی مراد کو سمجھتا ہو اور جس کو حدیث پر عمل کرنے کی کھٹکھٹ ہو یعنی شرانگہ و جھٹکا اور شرح حدیث کی پوری صلاحیت رکھتا ہو یا ایسا شخص ہو جو صاحب حدیث کے لیے کسی دلیل سے اعتدال کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ اصل کی طرف رجوع کرے۔ وہ اصل جو اس کے سامنے رہا ہو۔ یا مراد خود نہ دیکھے تو کوئی اور کرے، یہاں ۱۳ احتیاج نہ لگدی۔ مذہب کے عقائد سے بھری بات کی، انکی طرح تاکید ہوئی ہے۔

انہی اقسام پر کتاب ”دلائل القواعد“ کے پہلے باب میں لکھتے ہیں کہ:

”حدیث ۳۰ شیعہ تصدیق“ سے بعض اصحاب جو لے اعتدال کیا ہے،

جب کہ امام ابو کا انکی طرح معلوم ہے کہ کوئی حدیث قابل اعتدال ہے؟ اور کوئی روایت اس قابل نہیں؟ تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ بعض تابعین کا کام ہے جب کہ امامی روایت سے ”اللمنی“ (ص: ۵۵۱) میں اس سے اعتدال کیا ہے۔

اور کتب نے اپنی ضمن (ص: ۱۰۹) میں یہ صراحت کی ہے کہ:

”یہ سنہری درخت تھا کہ امام کا نام ہے اور ابن ابی عمیر کا یہ کہ بعض اصحاب ابو

نے احتجاج کیا میرے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ صاحب حدیث خود

امام احمد سے ملنے لے اس حدیث سے اعتدال نہیں کیا۔“

دوسرا ملاحظہ

تقریباً کبھی دلیل ذکر کرتے ہیں اور وہ صاحب الحدیث کی بھی دلیل ہوتی ہے تو محدث اس روایت کو حاضریہ حدیث کی کتابوں سے نکال کر لاتا ہے، جن کا زیادہ مذاہب فقہیہ کے اثر سے بہت بعد کا ہوتا ہے جیسے سنن ابو داؤد اور مسند احمد اور صحاح۔ اور محدث ان حاضریہ کی جان کر وہ سنہ اور طریق سے اس حدیث پر موضوع یا ضعیف ہونے کا حکم لگا دیتا ہے تو حدیث قابل احتجاج نہیں رہتی جب کہ امام الحدیث نے اپنی

خاص حد سے اس حدیث کو نکالا ہے اور وہ مستحکم بھی ہے اور قابل اعتدال بھی۔ (کیونکہ بعض اوقات جس روایت کی وجہ سے حدیث ضعیف ہوتی ہے وہ ان اثر کے صدور اور بعد و جہ میں آتا ہے۔ اس کے زمانے میں اس کا کام دیکھنا بھی نہیں ہوتا) تو جو حاضریہ حدیث کی کتب سے اس حدیث کی تخریج کرتا ہے وہ ایسا کتابی ہیں، جن پر اصحاب تخریج احتجاج کرتے ہیں تو حدیث قابل حجت نہیں گردانتے اس لیے میں و تحقیق پر اتر آتے ہیں اور جہاں غائب کی کتابوں میں اس کو کھائی کرنے کی دست افراہتے ہیں، وہ اس حدیث کو بے ملحد اور کج پالے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، میں اس کی ایک مثال اپنی کتابوں:

امام مرغینانی نے چاہے میں ”اور و القلود و اللہیات“ کو حدیث مرفوعہ قرار دے کر کھائی کیا ہے اور امام زہبی نے ”اصب الارب“ (ص: ۳۳۳) میں اس کو موقوف قرار دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو قول عمر ہوا اور مرفوع کے جانے حدیث اور روایت منقطع ہوئی اور معاویہ بن ابی سفیان سمعوا اور حضرت ابن عمر کا کام قرار دیا ہے جب کہ ان کے کتابوں میں ان اپنی مرفوع روایت آیا ہے جو متروک ہے، اور زہری کے کام سے بھی قرار دیا ہے جو تابعی ہیں اور ان کا کام قابل اعتدال نہیں ہے۔ انی لازم ہے اس کو مرفوع نہ پا کر اپنی روایت کے مطابق زبان اور حکم کی حیثیہ دیکھنی اور ان فقہاء پر کثرت کی خصوص نے اس کو مرفوع کر لیا۔ (کھلی، ص: ۱۵۵)

علامہ کمال ابن ابیہام نے شیخ الفکر میں ان حزم پر کثرت کی اور اس روایت کے معنی کو سمجھنے کی امداد سے حدیث کیا اور فرمایا کہ:

”مفسر علی الحدیث علیہ وسلم در حدیث کہ میں علی الحدیث سے جو کچھ روایتی ہے ان میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس حدیث فقہی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ثابت ہے جیسا کہ فقہاء نے حکم لگایا ہے، کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر صحابی سے حکم فرمایا، حضرت قتادہ، حضرت انس، حضرت عمر، حضرت

کے معنی کے لیے تائید امت قرآن یا حدیث یا دونوں سے مل جاتی ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے

فتواء کیجئے ہیں کہ طلاق مرد کا حق ہے اور ان میں اس کی مرفوع (مضلل) حدیث نقل کرتے ہیں۔ ”طلاق کا حق ان کو ہے جو عورت سے تنجیح اور ہر مصلحت کا حق رکھتے ہیں۔ یہ حدیث کتب میں ملنے سے روایت کی ہے اور حدیث میں ہے۔ لیکن اس میں کلمہ ”ان“ لایعنی ہے۔ روایت کرتے ہیں جب کہ راوی ضعیف اور حلقہ حلقہ کرنے والا ہے اور کتب میں ملنے سے طلاق دوسروں نے بھی روایت کی ہے اور کوئی روایت کلام سے خالی نہیں۔ اس سلسلے کی آخری بات ”تعلیل و طلاق“ میں علامہ شاکرانی کی ہے کہ اس روایت کے طرق اور اسانید ایسے ہیں جن کے بعض حصے سے بعض دوسرے حصے کو تقویت ملتی ہے جس نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اسی وجہ سے صحت کیا ہے کہ اسانید کثرت سے ہیں اور اس کے باوجود اگر حدیث کو مضبوطی قرار دیا جائے تو اس پر تنقید کرنے والوں کا استدلال کافی اور غیر مستحکم ہے اس لیے کہ اس معنی کو قرآنی آیات سے تقویت مل رہی ہے اور یہ روایت قرآن میں جس میں طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے عورت کی طرف نہیں اطلاق کی کا اثر ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ فَطَلَقُوهُنَّ لِيَعْلَمَنَ بِمَا طَلَقْتُمْ عَلَيْهِنَّ﴾ (مائدہ و سلم) جب تم طلاق دو جو دوق کو طلاق دو جن کی صحت کے لیے۔ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتٍّ لَفُضِّلَ عَنْ رَبِّكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (نساء) اگر ہم اس کو ہر قوم پر بھیجتے تو اس کی عظمت کم ہوتی اور تم کو معلوم نہ ہوتا۔ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتٍّ لَفُضِّلَ عَنْ رَبِّكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (نساء) اگر ہم اس کو ہر قوم پر بھیجتے تو اس کی عظمت کم ہوتی اور تم کو معلوم نہ ہوتا۔ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتٍّ لَفُضِّلَ عَنْ رَبِّكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (نساء) اگر ہم اس کو ہر قوم پر بھیجتے تو اس کی عظمت کم ہوتی اور تم کو معلوم نہ ہوتا۔

اور ان اہم دوسرے اہل حقانی نے ”ازدواج“ (۱۹۷۷ء) میں اس پر صحت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں اگرچہ کلام ہے لیکن قرآن اس کے معنی کی تائید کرتا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔

دوسری مثال: فتواء کا یہ قول ہے کہ: بیت اللہ میں داخل ہونے یا تھنایا

حاجت کے وقت مرکوز حاکم مستحب ہے اور یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھنایا حاجت کے لیے بیت اللہ میں داخل ہوئے تو جوتے پاؤں پہنے اور سر کوڑھا لگایا۔ یہ ابن سعد کے الفاظ ہیں۔ علامہ سیوطی نے ”المناہج البیضاء“ (۱۳۸۷ء) میں ان کی طرف متوجہ کیا اور اس کی حدیث کو بکری عبد اللہ بن حبیب بن صالح مرسل ہے۔ اس کتاب کے شارح الشافعی کہتے ہیں: امام ذہبی نے اس حدیث میں ابو بکر راوی کو ضعیف قرار دیا ہے اور کتب میں ملنے سے روایت کیا اس میں بھی ابو بکر راوی ہیں تو حدیث ثابت نہ ہوئی۔ لیکن امام بخاری کتاب النکاح (حدیث ۳۳۷۷) میں ”باب فضل اسی و علی بن ابی طالب“ کے تحت عبد اللہ بن عقیل رضی اللہ عنہ کا اپنا قول جو اس پر بارے میں فرمایا ہے یہی نقل کیا ہے۔ ”فصل فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ وہ حدیث صحیحہ ہے۔“

دوسری روایت میں راوی کے اپنے الفاظ پر غصہ کیا ہے کہ ہے۔ ”فصل فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ وہ حدیث صحیحہ ہے۔“ میں نے مرکوز حاکم کیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ حدیث کے لیے چنانچہ ان میں سے معلوم ہوتا ہے کہ سر پر کھانا دینا یا جان کے کڑوا پک حاجت کے وقت حاجت کے طور پر ان کے پاس معمول تھا۔

تیسری روایت میں حدیث کی گئی کی غریب پر حجتیں ہیں سے پانچوں کی کے آخر میں (۲۰۰) میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”تقريب الحديث“ میں موطا

”فتواء حدیث کیجئے کہ کلام اس حدیث کا کیا ہے جب اس کی حدیث کوئی حدیث راوی مضمون بخلاف نہیں دیتا ہے اس کی مصلحت قرآن کے ساتھ پائی جاتی ہو، یا بعض اصول شریعت کے مطابق ہوتی ہو، یا حدیث اس کو نقل کرنے اور نقل کے لیے دلیل مل جاتی ہے اور اس دلیل سے حدیث صحت میں جاتی ہے اور اس کی حجت چنانچہ ہوتی۔“

یہاں تک پہنچے ہیں اہم بات ذکر کروں گا جو کسی قدر تحصیل کے بغیر واضح نہیں ہوگی اور اس سے اختلاف اپنا چنگیز و غنچہ سے کی اور بات نکل کر سامنے آجائے گی۔
امام مسلم فرماتے ہیں:

”امام شافعی کا اصل اثر ان امور پر ہے جن میں وہ حق و باطل کی تمیز میں ذکر
فرماتا ہے کہ وہ اس میں ہمہ اہل قرآن اور مسند سے استفادہ کرتے تھے اور ان امور سے جس
سے وہ اختلاف کرتے ہیں اور قیاس سے بھی اختلاف کرتے تھے وہ ہیں کہ وہ حجت
کے لیے اطمینان حاصل نہ کئے۔ اور میرا اعتقاد ہے کہ وہ حق و باطل میں ذکر کرتے
ہیں۔ جو حق کی وجہ سے ہوئے۔ ان سے اختلاف ان امور اور قواعد سے فرماتے ہیں جو حق و باطل
ہوئے۔ ان سے اختلاف ان امور میں جو وہ روایات میں کرتے۔ یعنی اس کے ضعف کی طرف
اثر و اثر فرماتے ہیں اور میری روایت کے بجائے اس وقت ان کا اصل اختلاف قرآن
و مسند اور قیاس سے ہوتا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی کا طریقہ اپنی کتابوں میں یہی رہا کہ جو قرآن و مسند
سے مستند دلائل سے مضبوط کر کے بیان کرتے ہیں۔ مگر جو کچھ مسئلہ سے تحقیق و صراحت سے
بیان ہو اس کو ذکر کرتے ہیں۔ جو حق و باطل اور جو حق و باطل سے ان کے سامان کے
تفصیل ہونے کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں۔ جو وہ دلائل ہوں وہ ابتداء میں اور سب سے
مقدم ذکر کرتے ہیں۔ اس کے چند طور بعد امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”جو فقہ کے بعض اصحاب کی حدیث یا روایت کا ضعف ہے۔ لیکن ان کے بعض
اصحاب فقہ حوائج کی ہے۔ کیوں کہ اس کے فقرہ میں اس کی وجہ ہے جو عقل و احتیاج
نہیں۔ اور یہ طریقہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اسلوب کے خلاف ہے اور امام شافعی قاضی اعجاز
یہ ذکر کرتے تھے جو امام شافعی کا یہ طریقہ اس لئے ذکر کیا ہے۔“

اول کے پیش کرنے میں اختلاف اور شکر کے طریقے میں اتنا واضح فرق ہے کہ اختلاف
(امام شافعی) کو محدود دلائل کو مقدم کر کے اور شکر دلائل کو مقدم ذکر کرتے ہیں جو کمزور ہیں اور

اہم بات کے ضعف کی طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کے شکر کرنے اور ابتداء میں صرف کی
طرف اشارہ نہ کرنے میں بھی اپنے اختلاف کے اسلوب کی جہالت کی ہے۔“
بہا و قاعدہ فقہ کے معتدین رحمہم کی دلیل ذکر کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف حدیث کو اسلوب کے کہ اس کا بھی ذکر کرتے ہیں اور محدثین اس کی تحقیق کر کے
اختلاف دیتے ہیں کہ یہ دلائل تابعی کا کام ہے اور حدیث نہیں۔

یہ کہ بعض گمان کرنے والے یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ ہم فقہی قیاس و علم ہوا اور
فقہاء کی فقہ اور اجتہاد میں اختلاف باطل ہوا۔ جب کہ مسئلہ کی دلیل قطعی اور ثابت ہوئی جبکہ
موجود رہتی ہے اور اس کا بعد صرف علم پر نہیں ہوتا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک روایت
سے بعض فقہاء اختلاف کرتے ہیں کہ شکر اور مصر کی نماز دوسری ہے اس میں قرأت و ثور
سے نہیں۔ بلکہ آیت ہوگی۔ روایت یوں ہے: ”مسئلۃ الفہار عہدہ“ (دن کی نماز
خاموش ہے) جب کہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں اور عرفہ (مصلی)
روایت نہیں۔ بلکہ بعض تابعین کا قول ہے جیسے مجاہد اور عبد اللہ بن مسعود جو
تابعین کا قول ثابت ہونے پر مصلی دن کی نمازوں کو پورا ہوا نہیں کرے گا۔ کیوں کہ اس
اختلاف کے اثبات کے لیے دوسری قطعی دلیل موجود ہے۔

مجھے بخاری میں روایت ہے کہ: غیاث بن ابراہیم رضی اللہ عنہ سے یہ چہا گیا
کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر اور مصر کی نمازوں میں قرأت کرتے تھے؟ تو کہا: جی
ہاں آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ (کہ غیر اور مصر میں
قرأت آیت پڑھی جاتی ہے) تو جواب دیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں
پڑنے سے معلوم ہوا۔ مجھے مسلم میں اس وجہ سے حدیث اور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم نے
غیر اور مصر کی نمازوں میں آپ کے قیام کی مقدار کا اعجاز و کھلی دور رکھتوں میں اذنی
مسجد کی آیات کے برابر لگاوا اور بعد کی دور رکھتوں میں اعجاز و کھلی مقدار سے
نصف کا تھا۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علم کے ساتھ مسلمانوں کا حوالہ دینا اہل عمل پر ہے جس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ تو علم کا علم غیروہمصر کا نقلی طور پر بھی بنیاد پر قائم ہے، کسی مقلد مع حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی گئی، جو بعض سلف کا کلام ہے جن کی نہ تاریخ داہب ہے، نہ ان کا قول اعتبار کرنا لازم ہے۔ اور جو ان ائمہ حدیث سے استدلال کرے جو ذاتی اعتبار سے ضعیف، لیکن خارجی شراہ کی وجہ سے قوی ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ذاتی طور پر قوی ہیں، جب کہ ہم طرہ اس ضعیف حدیث کے الفاظ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کو جائز نہیں سمجھتے؛ بلکہ اس حدیث سے کہ علم پر مصراحت کے ساتھ الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

اس سادہ بھٹک کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف اور اس قسم کی دوسری احادیث جو ہمیں اللہ کی حمد اور ان کی تعریف میں ملتی ہیں، بعض وہ ہیں جو خود امام احمد ہب کے دلائل ہوتے ہیں اور ان کو ان کی روایتوں کی ہیں جو کتاب کے مخالف کی دلیلیں ہوتی ہیں اور صاحب لمہ ہب کی تائید میں ان سے استدلال معصفت کتاب نے کیا ہوتا ہے، نہ کہ صاحب لمہ ہب نے۔ اور کسی حدیث کے ضعیف ہونے سے اس کی بنیاد پر لگانے جانے والے علم کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ اس لیے کہ بعض احادیث شراہ قرآنی اور کئی قیمتی سنت صحیحہ سے اس ضعیف حدیث کے معنوں کی صحت کے شراہ دریافت ہو جاتے ہیں۔

چوتھا ملاحظہ

یہ کہ کبھی حدیث مجتہد اور محدثین دونوں کے اصول کے اعتبار سے ضعیف ثابت ہوتی ہے اور اس کے لیے ایسے شراہ بھی نہیں پائے جاتے جو اس کے معنی کو صحیح ثابت کردیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر استدلال کیسے کیا؟

جواب یہ ہے کہ اپنے لمہ ہب کی تائید میں امام احمد ہب ضعیف حدیث سے

استدلال اس وقت کرتا ہے جب کہ اس مسئلہ میں اس ضعیف روایت کے علاوہ کوئی اور صحیح روایت نہ ملے، اس کی تفصیل سہل اول کے کلمہ تائید میں گذر چکی ہے کہ اس شرط پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اس روایت کا ضعف خود نہ ہو اس لیے کہ دائرے اور قیاس سے بہر حال ضعیف روایت بظہر ہوتی ہے۔ دائرہ تعالیٰ اعظم

کی راہ میں ملنے پر کاوش نہ ہوں، جو اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اور یہ ثابت کیا کہ احکام کے اس قول کے مطلب بھی ان کے مثل آخر ہیں۔ ہر شخص نہیں ۱۱

اور ملائے سادھنوں میں سے بعض نے احکام کے اس قول کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی، تو لفظی میں جتنا ہوئے، یا حکم کی تفسیق میں تردد کا مظاہر ہوئے۔ اور اس میں ہمارے لیے بڑا سبق اور عبرت کا سامان ہے۔

(۲) اسی طرح میں نے اس قول: "صحیحۃ الحدیث کما فیہ للعقل" یعنی حدیث کا صحیح ہونا عقل کے لیے کافی ہے کہ فاضل کی تفسیر بھی کا ادا کر لی گیا اور یہ کہ اس حکم کا انجام بھی دینا ہی ہے جیسے "بما صحیح الحدیث فهو مدعی" کے ترجمے سے ہوا اور اس کا جواب دیا گیا وہی اس کا بھی جواب ہے۔

پھر میں نے بعض لوگوں کے اس قول کا تجویز کیا کہ جو کہتے ہیں کہ ہم اجماع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں اور ان کے خلاف دوسرے لوگوں کی اجماع کے سامنے نہیں۔ میں نے یہ ثابت کیا کہ اگرچہ جہت میں اپنے اجتہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجماع کرنے والے اور اس اجماع کے بڑے تلامذہ ہیں اور پھر اندر ہیں۔

فیک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کے خطرے کی میں نے یہاں وضاحت کی کہ یہ انتقال اس قابل نہیں کہ احکام کے بیان کردہ فاضل میں ترجیح کا سبب بن سکے۔

سبب جاتی۔ ہر جہت حدیث میں اختلاف پایا ہے۔ ہر کام کرتے ہوئے ہمارے لیے یہ بات عمل کرنا سزا دہنی کہ اس اختلاف کے پیدا ہونے کا سبب وہاں میں ہیں:

احکام کے مدارک عقلی کا کھدوت جو فطری بھی ہے اور انسانی بھی۔ اور اس کے اثبات کے لیے ہم نے دلائل اور مثالیں یہاں کیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کا اجماع کے ساتھ واقعہ اور محمد بن حسن کا شیعہ بنی ہاشم اور امام احمد بن حنبل کا امام شافعی سے مذاکرہ وغیرہ۔

اس کے بعد میں نے اس انتہائی اہم اور تحقیق سے بھی یہی کہ یہ فقہاء دین ہے، کیونکہ یہ کتاب حدیث کے لیے فہم، تجرید اور شرح کی حیثیت رکھتا ہے اور فقہاء دین سے اہل

کہا، یا اس کی لگی سادھن کے ابطال کے مترادف ہوگا، جس کے نتیجہ میں کتاب حدیث کے اصولوں پر بھی مشکل ہو کر رہ جائیگی۔

میں نے اس کے بعد ایک اور اہم فطری کی بنیاد پر بھی کی جو بعض لوگوں کی طرف سے سامنے آئی کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے الفاظ کو "قرائتہ و کتاب" یا "تقرائتہ" کے عنوان سے اس اعلان سے پیش کرتے ہیں کہ اس میں امام مسلم بن الحنفی کی لفظ کتاب حدیث کی طرف منسوب کرنے کے ساتھ خود ان کی اذات کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قرطبی، شہید، ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے۔ کتاب حدیث کی طرف نہیں، وہ کہہ رہا ہے کہ اس کتاب حدیث کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

سبب تامل: یہ کام کرتے ہوئے، جو حضرات روایات کو جمع کرنے کے خارجی اختلاف سے غفلت رکھتا ہے میں نے حضرات روایات کے جمع کرنے کے مراحل کو بیان کیا۔ اور وہ یہ ہیں کہ اصل اگر تحقیق ہو تو دونوں روایات کو جمع کیا جائے۔ درجہ ۱ کے دعویٰ کو دلائل قرآنی سے ثابت کیا جائے اور صحیح اور صحیح اگر کے نتائج پر عمل کیا جائے۔ اور اگر صحیح کے دعویٰ پر دلیل قائم نہ ہو سکے تو دونوں روایات کے درمیان ترجیح سے کام لیا جائے اور یہ بھی کہ ترجیح کا دعویٰ ہوں ہی اختلاف سے کی بات نہیں، بلکہ اس کے بعد اصول اور ضابطہ ہیں۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں، بلکہ بہت مشکل اور محنت طلب ہے۔

اسی طرح دو حضرات روایات کا خلاصہ اور ذکر کرنا بھی مشکل کام ہے، اس کے لیے وسیع مطالعہ اور معلومات اور فہم کا قبہ درکار ہے۔ دو حضرات روایات کو جمع کرنے کی وجہ بات بہت زیادہ ہیں جس کو مفاد امرائی نے ایک سو اسی عدد تک پہنچا دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی وجہ ہیں۔

سبب دانی: یہ کام کرتے ہوئے ہم نے بہت سے حقائق پیش کیے۔ اس سبب کا حدیث کی مطابقت کی وسعت کی بنیاد پر اختلاف سے غفلت ہے۔

حقیقت نبوی: اگر حدیث روایات حدیث کا انتہائی وسیع علم اور مطالعہ ہونے کے

پادریوں کی ایک کا تمام دایات پر اعتراض اور جانچ پڑتال ہے۔

حقیقت چاہیے: امام جوینید و مرقا کی حدیث کے بارے میں وسعت معلومات کو میں نے تفصیل سے جان لیا اور مختلف نسخوں اور واقعات کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ اور یہ بھی کہ احادیث کے بڑے بڑے ذخیرے کے حافظہ اور اس کی تمام معلومات سے واقف ہونے کے باوجود، وہ احادیث کی روایت کو ان سے بہت کم تعداد میں فرماتے تھے۔

حقیقت چاہیے: بعض اشخاص اپنے قادیانی اور اقوال سے دھجھ کرنا جب کہ ان سے اس کے خلاف روایات بیان کی گئیں۔ اور ان کا یہ اعتراض کہ ان احادیث کا ان کو علم نہ تھا۔ اور اس سبب غلط کا دوسرے سے تاخیر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دینے ہوئے اس تاخیر کا بھی سبب لکھا کہ یہ جی ایک فطری اور عقلی امر ہے۔

ان کے بعد اس سبب پر بھی شبہات کا جواب لکھا جو اس پر وارد کیے گئے تھے۔ اور وہ تین شبہات درج ذیل ہیں:

(۱) بعض احادیث کا اثر کو علم نہ ہونا۔ اور اس پر یہ شبہ کہ ان سے اس مسئلہ کے بعض دوسرے کوئی بھی ایسے ہی جلی رہے ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث ان پر جلی رہی۔ اور اسی طرح دوسرے اور بخیر مسئلہ میں بھی اشکال۔ میں نے لکھا کہ: ان اشکال کے اصحاب نے ان احادیث کا ہر اک کیا اور واضح طور پر یہ جان لیا۔ یہ بات اصولی علم اور عقلی طور پر بھی ایک قطعی صورت ظاہر ہے کہ ایک اور حکم کا خلاف عمل پر کیا جائے۔

(۲) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سند اور حدیث کی کتب کا حصول بہ نسبت قدیم زمانے کے آج کے دور میں زیادہ مشکل ہے۔ تو یہ ممکن ہے کہ اس ذیل پر کتب کو سامنے نہ کر ہم ایک حدیث فقہی مذہب کی تشکیل کریں۔ یا موجودہ مذاہب سے استفادہ کرتے ہوئے کتب حدیث کی تکمیل اور مکمل انحصار کے سبب اقوالی دلیل کو اختیار کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ ذخائر کتب حدیث میں جو احادیث موجود ہیں ان کی تعداد ان احادیث سے بہت کم ہے جن پر مطلع ہونے والی کتابوں میں ان کا ذکر کیا۔

دھری بات یہ ہے کہ اصل ضرورت ان احادیث کی اسانید پر غور کرنا ہے جبکہ مصری کتب میں اسانید پر غور کرنا اور اشکال و آسان نہیں۔

اسی طرح اس میدان علم میں کثرت حدیث اور زیادہ تر احادیث کی حامل کتابیں بلکہ یہاں تو دوسری قسم کے اشکال اور ان کے اسباب کی نشان دہی قصود ہے جن میں سے بعض کو میں نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔

اور مجھ کے لیے ملاحظہ احادیث پر مطلع ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے تو دوسری بہت سی شرائط ہیں، جن کا پابان ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح، عبادت، تقویٰ کا احرام بھی ملحوظ ہے۔ اور میں نے سنت نبوی سے اس کے دلائل لکھے ہیں۔

(۳) بعض لوگوں نے فقہ کی مداول کتب میں احادیث ضعیفہ اور موقوفہ سے متعلق کا شکوہ کیا ہے۔ اور یہ خیال کیا ہے کہ یہی امام احمد ہب کے دلائل کی بنیاد ہیں۔ آخر اس طرح کو اختیار کرنے کے بعد اس کی راست کیسے تسلیم کی جائے؟ جب دلائل ضعیف ہوں گے تو حکم کا نفاذ بھی ضعیف ہوگا۔ اس کا جواب میں نے مختلف اہم اقوال کی طرف توجہ داکر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ان پر چار صفحات سے یہیر حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ کتب فقہ میں جو احادیث مذکور ہیں ان میں سے بعض تو امام احمد ہب کے دلائل ہیں اور بعض غرض و متعلق کتب کے اپنے اشتداد سے ہیں۔

۲۔ ان احادیث کی ضعیفہ ان محدثین کی اسانید پر نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکی جنہوں نے ان روایات کی تخریج کی ہے جب کہ امام احمد ہب کی اپنی اسانید کا ان سے مطابقت نہیں کیا گیا۔ آخر مذاہب کی اپنی اسانید خاص ہیں۔

اس بات کی وضاحت کے لیے میں نے "تحریر و الاحادیث و المناہج" کو پیش کیا ہے۔

۳۔ بعض روایات ایک فقہی حکم حدیث کو حکم اور مسئلہ کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے جب کہ وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے، لیکن اس کے لیے ثلث اور قوی مؤیدات پائے جاتے ہیں اور فقہ کا اس کو دلیل کے طور پر اختیار کرنا قصود اور مراد پر صراحت کے

ساحر والہیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے میں نے دو مثالیں ذکر کی ہیں۔
تیسرے حدیث:

”إِنَّمَا الظَّالِمُ بِعَيْنِ أَهْلِ الْبَيْتِ“ و ”سَلَاةُ الظَّالِمِ عَجَلٌ“

۲۔ کبھی دیکھ حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی تفسیر کے لیے دوسرے شاید بھی نہیں ہوتے لیکن امام ابنہ حب کا دیکھنے کے طور پر اس حدیث ضعیف کا اختیار کرنا اس مسئلہ میں دوسری جگہ حدیث کے نہ بننے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ایسی حدیث پر عمل مقدم کرنا قیاس کے انتہاء پر عمل کرنا ہے۔

لہذا کی توفیق سے یہاں پر (خامس) پیکھل ہوا۔

أَسْأَلُ اللَّهَ الْمَوْلَى عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُجْعَلَ قَبْلَ الْإِشْرَافِ وَالْإِسْرَافِ وَتَعْطَمَ لِي بِهِ
الْأَحْرَابُ وَتَقَطَّعَ وَجْهَهُ أَنَّهُ وَلِيَّ كُلِّ شَيْءٍ وَنَعْمَةً وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ سَيِّدَنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

کتبہ محمد حوزۃ وحفظہ اللہ

حلب جامعۃ العلم الشرعی

۱۷ من شهر ربيع الأول ۱۳۹۸ھ

ضمیمہ (۱)

راہِ عالمی اسلامی کو گمراہ جو ”زمائل الخبیثہ“ کے نام سے لکھا ہے، اس کے سال
اول کی دوسری اشاعت میں مجلس فقہاء ہائے ایکہ قرار دیا کہ اس کی جو اکثر فقہاء کے درمیان
فقیہی اشکاف اور بعض قیمیں فقہ کے مذہبِ تعصب سے تعلق رکھتا ہے اور اس قرار دینے پر مجلس کے
ان افراد کے کہ جتنے لیے جو اس ناگزیر مسئلہ کے بارے میں عالم اسلامی کے مٹا نظر کے پیش
کرنے والے عالم اسلام کے فرمایاں کریں۔

۱۶ جنوری ۱۹۵۹ء اور اس کے بعد صفحات اور صفحہ ۲۱۹ اور اس کے بعد صفحات کا حق ہے:

مجلس مجمع فقیہی نے اپنے دسویں اجلاس میں جو ۱۳۸۹ھ میں منعقد ہوا جس میں غائب
کے دو بیان فقیہی اشکاف اور ان غائب کے بعض قیمیں اور جیہ کاروں کے درمیان فقیہی
تعصب کے موضوع پر بحث ہوئی۔ اس کا حق درج ذیل ہے:

الحمد لله وحده والعزة والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا وابينا محمد
صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم ادا بعد:

مجلس مجمع فقیہی اسلامی اپنے دسویں اجلاس میں جو گمراہ میں بحث کے دن ۲۳ صفر
۱۳۸۹ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء سے لے کر چھ کے دن ۲۹ صفر ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱ اکتوبر
۱۹۶۸ء تک منعقد ہوا اس میں مجلس نے اس بحث پر غور و فکر کیا کہ غائب کا فقیہی اشکاف اور ان
غائب کے عقیدے کا آئین میں کامل فرقہ اور عرضی مذہبی مصلحت کی بنیاد پر کیا دوسرے کے
غائب اور اس مذہب کے حامی کو ملین و گھنچ کا نشانہ بنانا سے احتمال سے تجاوز ہے، مجلس نے ان
حالات اور انھوں کا جائزہ لیا جو لو جو ان مسئلہ کے ذیلوں میں اشکاف غائب کے بارے میں
اشکاف کا سبب ہیں، ایہ ”اشکاف“ میں کی بنیاد سے وہ واقعت ہیں جنھوں کے معنی کو گھنچ ہیں،

گمراہ کر کے جانے بعض لوگوں نے حاصل ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ جب شریعت اسلامیہ کی کسی شریعت سے جو اس کے اصول و فرائض عظیمہ اور سنت نبویہ سے ثابت اور حقیقی طریقہ ہیں تو یہ مذاہب کا عقیدہ ہونا چاہیے اسکی دیکھنا سبب حمد ہو کر ایک مذہب کو کیوں اختیار نہیں کر چلتے تاکہ ایک طریقہ اور ایک عقیدہ ہرگز کے مطابق احکام شریعت کا اچار اور مذاہب کا جائزہ

بھلے نے مذہبی مصیبت اور مفسدہ کی مشکلات پر غور کیا۔ خصوصاً ان جو ان نسل کے افراد جن کی اگر سے قسمی رحمانیت سے متاثر ہوئے اور وہ اپنے اجتہادات کی بناء کرتے ہیں۔ اور ان مذاہب کو جو پوری آب و تاب کے ساتھ قائم ہیں۔ ان کو اصغر اختلافات کا نشانہ دیتے ہیں جن کو امت اور ملائے امت نے فروعی امور کے ساتھ اپنایا اور ہے اور صدیوں سے اس پر عمل کرتا رہا ہے اور ان مذاہب کے اندر کو محض دو تعلق اور بعض کو گمراہ اور دوسرے کو لوگوں میں بکھڑا کرتے ہیں۔ فقہ پر دینی سے متعلق مسائل سے دو اجتہاد اور ان کے ساتھ کی پر غور و بحث کے بعد صحیح فطری نے لوگوں کو گمراہ کرنے والوں اور مذہب بچانے والوں کی مصیبت کی طرف سے متوجہ کر دیا۔ ماں باری کیا

اور مذہب کے اختلاف کے تعلق سے

کافی بات یہ ہے کہ مذاہب اسلامی جو عربوں میں قائم اور لوگوں میں معمول رہا ہیں۔ ان کے فکری اختلاف کی وجہ نہیں ہیں۔

اختلاف ہی پہلو سے مذاہب کا اختلاف

فطری پہلو مذاہب کا اختلاف

کلی التوحید کا اختلاف نہ تھا کہ جسے تعلق رکھتا ہے وہ دو حقیقت ایک کی عظیم مصیبت ہے جس کے سبب جہاد اسلامی میں بڑے بڑے طوفان کھڑے ہوئے اور بڑے بڑے ماحولہ پیش آئے ہیں۔ لے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ یہ انتہائی قابل غور کی حالت ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے اور اس بناء کی شدہ ضرورت ہے کہ اسے اسلامی اہل سنت والجماعت کے مسلک و مکتب پر مجتمع ہو جو مسابقت اور راجح اسلامی فکر کی حامل ہے۔ اور خصوصاً کرم علی اللہ علیہ وسلم اور غلامہ راشدہ کے بیچ اور ان کے پیروانوں پر استوار ہے۔

جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے "علیکم بسنی وسنۃ الخلفاء الراشدين من بعدي، تسکونوا بها وعضوا علیہا بالاولاد" "تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنا۔"

دوسرا اختلاف بعض مسائل میں فقہی امور پر ہے اس کے علمی اسباب اور فکری ہیں اور اس قدر تھوڑی کی اس اختلاف میں ہے جو شخصیں ہیں۔ ان اختلافوں میں سے ایک بڑی سخت خصوصیت احکام کے اختلاف میں توحید اور اس کے علاوہ ایک فطری و بیحد طریقہ کا سبب ہے۔ جس میں امت اسلام کے لیے وہی اور شریعت کے معاملے میں بہت سی کوششیں اور دشمنیں ہیں۔ چنانچہ امت کسی ایک فکری حکم کی تعلیق میں کسی ایک راہ کی پابندی نہیں جس کے سوا کوئی اور راستہ نہ ہو۔ بلکہ سب حالات ایسے ہوں کہ کسی خاص حالت میں اور کسی خاص مسئلہ میں ان کے لیے عمل کا سہارا ان نسل محدود اور تنگ ہو جاتے تو دوسرے فقہاء کے مسلک میں ان کے لیے رحمت اور سہولت کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ چاہے ان مسائل کا تعلق ایمانات و اساطعت سے ہو یا عبادی و فرائضی مسائل یا قضا اور جتنے مسائل سے جو مابعد فطری کی درجہ میں امت کے لیے ہر قسم کی رحمت اور سہولت کی گنجائش رہتی ہو جاتا ہے۔

اس لیے یہ دوسری التوحید کا اختلاف جس میں کسی کو مانع نہ ہو کہ اس کے مخصوص مسئلہ قرآن و سنت کی بہت سی ایسی ہیں جہاں ایک سے زیادہ سو فی ۱۰۰ اہل دیکھتی ہیں، جیسا کہ ایک شخص میں تمام اسلامی واقعات کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ مخصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود ہیں اور قیامت تک کے نئے واقعات اور حادثات پیش آتے رہتے ہیں، جیسا کہ ملائے امت نے تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ قیاس اور اجتہاد کی طرف احکام کی باتوں اور شارع کے حضور اور مسامحہ شریعت اور سنت پیش آنے والے مسائل میں قیاس اور اجتہاد کی طرف رجوع کرنا ہی چاہیے۔ اور اس بارے میں مختلف اختلافات کے باوجود علمائے کرام اور ائمہ اربعہ فریقہ میں اختلاف کا رائج ہونا ایک فطری امر ہے۔ اس لیے ایک مسئلہ میں ان کی طرف سے مختلف احکام آجاتے ہیں اور

ہر ایک کا مقصود حق کی اتباع ہے جس کی اسنے اجتہاد میں صاحب ہر یک حکم مسئلہ کی طرف راہنمائی ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ہدایت ہیں اور ہر اجتہاد میں خطا کے مرتکب ہوں ان کے لیے ایک اجتہاد اجتہاد کا ہے ہی۔ اور ہر ایک سے وصیت کا تصور اور نکل اور مرتب کا ازالہ ہوتا ہے تو اس اختلاف میں جو فقہی اور فرائضی ہے اس میں تعظیم کا کوئی پہلو ہے اس میں تو وصیت ہی وصیت ہے اور وصیت ہی وصیت ہے۔

یہ اختلاف مسلمانوں پر آیا اور مسلمانوں میں ہے کہ جس پر امت کو ہر ایک کا چاہیے نہ کہ محض اور اولاد۔ لیکن ایسے گمراہ کی اس سرچش کے انھوں نے جو ان مسلم طبقہ مسئلہ میں چکا ہے ان کی منہج اور کثرت و غلط استنباط پر دلالت کرتے والے حالات سے ظاہر ہو جاتے ہیں اس فقہی اختلاف کے کوئی کے سامنے نہ آ کر کیا اور کسے چھوڑ دینا کہ یہ اختلاف ہی اختلاف ہو اور جو ان میں فرائض اور فقہی لڑائی سے غافل ہو کر ان کا اختلاف دیکھتے ہیں۔

یہ تصور رکھتے ہیں کہ جو وہ فقہی عالم کا سامنے دیکھتے ہیں کہ ایک یا کچھ فقہاء جو یہ فقہی صاحب کی ہمارا نکل جاتے اور پہلے سے قائم فقہی مذاہب اور ان کے اثر کو سن کر جھنجھکاؤ کا نشانہ بن جاتے یا ان کے بعض اثر کو کہیں وہاں سے منکوح کرنے کی کوشش کی جاتے۔ لہذا اس منہج پر اختلافات میں جو مذاہب فقہی کی افادیت اور وصیت اور کتبوں کو غلطی افکار کرتی ہے ان صحت پر پندوں اور مسرواں کے ہاتھ کھولنے والوں کے لیے ایک دینی مہرت ہے اور ان پر مذاہب اور فرائض ہے کہ اپنے اس نفرت انگیز اور مبغوض ترین مذہب سے بڑا ہا گیا جس کا کوئی صاحب ایسے نہ کرے تو ان کو ان کو گمراہ کرتے ہیں اور ان کے صفوں میں اشتکار پیدا کر امت مسلمہ کا شیرازہ کھینچنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اور ان کے خلاف میں ہدایتی ذیل کرتے احادیث اسلام کے لیے توفیق حاصل کے کہ وہ اپنے ہیں۔ ایک ایسے پر آشوب اور پر فتنہ اور میں جب کہ احادیث اسلام کی طرف سے ہمیں متفقہ باتوں کا سامنا ہے جس میں اس بات کو کہہ کر سے بڑا ہونے والی تقریر کا اشتکار کی وجہ سے ہمارے امت کی صفوں میں ہاتھ دھانچ کی فکر کرتی جا رہی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً

تکبر اہ والحمد لله رب العالمین

توقیع
عقب ازین

توقیع
عقب ازین

ارکان مجلس

توقیع

توقیع

محمد بن محمد

داکتر عبد اللہ

عبد اللہ عبد اللہ

توقیع

توقیع

سازگارین نوازین

محمد بن عبد اللہ

مستطی احمد

توقیع

توقیع

محمد بن محمد

ابو الحسن علی

محمد بن عبد اللہ

توقیع

توقیع

محمد بن محمد

ابو الحسن علی

محمد بن عبد اللہ

توقیع

توقیع

محمد بن محمد

ابو الحسن علی

محمد بن عبد اللہ

داکتر عبد اللہ

مفتی محمد علی

(F) $\frac{1}{2}$

1997-1998

دعوتِ اسلامی کی طرف سے

۱۔ عسکرِ اکرام ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء جولائی ۱۹۹۳ء کو دارالاسلام - برطانیہ میں منجملہ علماء اسلامیہ کا آٹھواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں پیر ابراہام کاس کی بھی شرکت تھی۔ پیر ابراہام نے طلبہ اسلامیہ کیوں کے ۱۳ سالہ کے ذریعہ پیش کیے گئے مقالہ "مقالات کا خلاصہ ہے۔ ان مقالات سے پیر ابراہام میں شامل ملانے بخشیں کہیں۔ یہ نکل مقالات اور ان پر ہونے والے مذاقعات ۶۰۰ صفحات پر (۱۹۹۳ء جولائی ۱۹۹۳ء) پر مشتمل تھے۔

یہ آراء کا حق ہے اور اس کے بغیر میں جھوٹا ہوں

— — — — —

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله الطيبين و

Figure 1

أوليفر هودجكينز

رخصت کے حصول اور اس کے علم سے متعلق

گنج حنفی کا اسلامی قانون تھا۔ انھوں نے جو اصول بیان کیے ہیں، ان کے مطابق اسلام میں
 ۱۰۰۰ سے زائد مسائل اور ۱۰۰۰ سے زائد مسائل کے حل دیے گئے ہیں۔ ان کے مطابق اسلام میں
 ۱۰۰۰ سے زائد مسائل اور ۱۰۰۰ سے زائد مسائل کے حل دیے گئے ہیں۔ ان کے مطابق اسلام میں

۱۔ شرعی درمستطہ وہ عظم ہے جو کسی عضو کی حاجت میں اس کا مصلحتاً داخل عظم کو واجب کرنے والے سبب کے ساتھ اسباب تکلیف کی بھی ادنیٰ بعضی کو کم کرتا ہے۔ اسباب کے پاسے جانے کے ساتھ ضرورت کے مشروعا ہوئے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ادوائی مجرور ہوں۔ درمستطہ کو اپنے مواقع تک مجرور رکھا جائے جس اس شقی سے شرعی اصولی دھندا ہو گی ہی وہی کی جائے۔

۲۔ فقہی ریاضتوں سے مراد کسی وجہ کا وہ فقہی اجتہاد ہے جو دوسرے ایسے اجتہادات کے مقابلے میں جو کسی امر کو منع قرار دے رہے ہوں، مباح اور ہائز قرار دے رہے ہوں۔ فقہاء کی ریاضتوں پر عمل داس صحیح ہیں کہ وہ ملت کے بلکے (آسانی یا سختی) کا قول کو اختیار کرتے ہیں، دلیل ۱۳ کے تحت مندرج اصول قرار دے کر دینی میں مانگو ہے۔

۳۔ عام اصول کے تحقق سے حاصل ہونے والی رخصتوں کے ساتھ حاصل ہونے والے کام کا بھی معاملہ کیا جائے گا اگر وہ شرعی طور پر معجزہ محضات کو سامنے لائے، وہی ہوں گی کے ساتھ وہ اہل تقویٰ اور علمی امانت کی حامل شخصیات کی اجتماعی اجتہادی کوششوں کے نتیجے میں سامنے آئیں۔

مصلحت اپنے جتنی ربحان کی بلایا پر غلے اپنے والی دھتسوں پر عمل جانو نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ مخالف شرم سے آزادی اور امانیت کے حروف ہوگا۔ چنانچہ مصدقہ ذیل اصول وضو کی کہ روشنی میں ہی ایسی دھتسوں پر عمل جانو ہوگا۔

(۱۱) فقہائے اہلسنت پر مبنی اقوال شرعی طور پر مستحکم ہوں اور انہیں شرعاً اقوال قرار دیا جائے۔

(ب) رخصت پر عمل کی ضرورت موجود ہو۔ اس کے بارے میں مشقت کو رفع کیا جائے۔ یہ ضرورت عمومی سطح پر معاشرے کی عام ضرورت ہو یا خاص یا مفرازی ہو۔

(ج) رخصت حاصل کرنے والا اختیار پر قادر ہو یا وہ اس پر قادر نہ ہو۔
اس کا اہل ہو۔

(۴) رخصت کے حصول کے نتیجے میں اس منوع تعلقین کو اختیار کرنا لازم نہ آتا ہو جس کی تحصیل دفعہ ۶ میں آ رہی ہے۔

(۵) رخصت حاصل کرنا کسی غیر مشروع مقصد کی حصول پالی کا ذریعہ اور وسیلہ نہ ہو۔

(۶) رخصت کے حصول پر رخصت حاصل کرنے والے کا اہل مطہرین ہو۔
(۷) غداہب کی تنہید کے تعلق سے تعلقین کی حقیقت یہ ہے کہ مقلد کسی ایسے ایک مسئلے میں جس کی دو یا دو سے زائد فروعیں ہوں مابقی کیفیت کو اہل میں لائے جس کا قائل اس مسئلے میں اس کے سب کا کوئی مجتہد نہ ہو۔

(۸) مندرجہ ذیل صورت میں تعلقین منوع ہے:

(الف) اگر وہ محض شخص درجہ اول کی بنیاد پر کسی کو رخصت کے حصول پر عمل کرے یا رخصت پر عمل کے مسئلے کے ذیل میں بیان کردہ اصول و ضوابط میں سے کسی ضابطے میں اس سے ظن آئے۔

(ب) یا یہ تعلقین انہما کے حکم کو کرنے والی ہو۔

(ج) یا وہ کسی ایسے عمل کی تائید ہو جس پر رخصت حاصل کرنے والا ایک ہی واقعے کے تعلق سے عمل کر رہا ہے۔

(د) وہ شارع یا اس کے مشاغلہ کی مخالفت پہنچل ہو۔

(و) وہ کسی صحیحہ و صحیحہ کی طرف لے جائے جس کا کوئی مجتہد قائل نہ ہو۔
(واضاح علم)